بارگاہِ رسالت ؐ میں
حضرت نانوتویؒ کی حاضری

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سفرِ حج کے رفیق حکیم منصور علی خانؒ راوی ہیں کہ :-

"جب منزل بہ منزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا" جہاں سے روضۂ پاک صاحب لولاکؐ نظر آتا تھا، فوراً جناب مولانا مرحوم نے اپنے جوتے اتار کر بغل میں دبالیے اور پا برہنہ چلنا شروع کردیا۔ مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخر شب تاریک میں اسی طرح چل کر پا برہنہ پہنچ گئے۔

(سوانح قاسمی جلد سوم)

۱۳ شوال ۹۶ھ

گناہ سے بچو

وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللہِ۔

ترجمہ: اور تو گناہ سے بچ کیونکہ گناہ کے ساتھ اللہ کا غضب اترتا ہے۔

یہ اس مسلسل حدیث کا پانچواں ٹکڑا ہے جس کے چار ٹکڑے آپ پچھلے شماروں میں پڑھ آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچویں نصیحت یہ فرمائی ہے کہ انسان کو گناہ سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے اور گنہگار پر اللہ کا بڑا غضب نازل ہوتا ہے۔ گناہ سے مراد ہر وہ حرکت ہے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کے "دین اسلام" سے بغاوت کا اندیشہ ہو۔

بنی نوع انسان کے لیے مذہب اسلام ایک ایسی ہی راہ ہے جو اس کی نجات اور کامیابیوں کی ضامن ہے جس پر تمام روئے زمین کے امن و امان اور خوشحالی اور ترقی کا دارومدار ہے۔ جو شخص اس مذہب کے قوانین کے خلاف کوئی کام کرے گا وہ گویا دنیا کی اصلاح و ترقی میں رکاوٹ ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے کسی آدمی کا فعل اور اس فعل کے نتائج صرف اسی حد تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ انسانوں کے آپس میں گہرے تعلق ہونے کی وجہ سے ایک آدمی کی حرکت دوسرے لوگوں کو بھی اپنی زد میں لے لیتی ہے۔ اس کی خرابی سے روزمرہ کی دوسروں کی زندگی میں رکاوٹ اور خلل پیش آتے ہیں۔ اس لیے ایک آدمی کا گناہ کا مرتکب ہو جانا بہت سے لوگوں کا اپنی اصل راہ سے ہٹ جانے کا باعث بنتا ہے یہی اللہ کا غضب ہے۔

گناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ سوسائٹی کی ترقی میں ضرور حائل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص زنا کرتا ہے اس سے اس کی گھریلو زندگی تباہ و برباد ہوتی ہے۔ اس کے بیوی بچے اس شخص کے برے چلن سے متاثر ہوتے ہیں بسا اوقات وہ بھی گناہ کی زندگی میں پڑ جاتے ہیں۔

ان کی معصوم زندگی اس کی بدکرداری سے بگڑ جاتی ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محفوظ بھی رہیں پھر بھی لوگوں کی طعنہ زنی اور نفرت و حقارت کا شکار رہتے ہیں۔

بدکردار مرد و عورت کی زندگی گندگی اور گناہ کا مرکز بن جاتی ہے وہ اپنی عزت فروخت کرنے کے ساتھ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی عزت کو بھی بٹہ لگاتے ہیں پھر خود وہ شخص بھی ذلت کے گڑھے میں جا گرتا ہے نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔ گویا ایک شخص کے گناہ کرنے سے ایسے لوگ اپنی عزت، اپنی معاش اور اپنا مقام کھو بیٹھتے ہیں اس دنیاوی سزا کے بعد اسے آخرت میں دردناک اور سخت ترین سزا ملے گی۔ وہ ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا۔ اور کبھی نجات نہ پا سکے گا۔

اسی طرح لوگوں کا دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونا ساری جماعت کو گندہ کر دیتا ہے۔ شراب نوشی، جوا بازی، چغل خوری، فریب کاری، دھوکہ بازی، حق تلفی، ناانصافی یہ سب ایسے گناہ ہیں جو گناہ کرنے والے کو انجام کار تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور سوسائٹی بھی اجتماعی طور پر ان کے نقائص سے بچ نہیں سکتی۔ وہ آدمی اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے۔ وہ سوسائٹی کے نزدیک مجرم، اللہ کے ہاں گنہگار اور اپنی ذات کے لیے دھوکہ باز شمار ہوتا ہے۔ گنہگار کے گناہوں میں دوسرے افراد بھی پھنس جاتے ہیں۔ اس کی گفتگو اسی کے کلام اور اسی کے افعال نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس کے ذمہ دوسروں کے جو حقوق واجب ہوتے ہیں وہ ان سے کوتاہی اور

(باقی صـ ۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۲ —— شمارہ نمبر ۲۰

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر :

محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارہ تحریر

◎ مولانا محمد اجمل

◎ زاہد الراشدی

◎ صالح محمد صدیقی

بدل اشتراک

سالانہ ۳۵ —— ۰۰

ششماہی ۱۸ —— ۰۰

سہ ماہی ۹ —— ۵۰

فی پرچہ ۰ —— ۷۵

مزدوروں کا ہفتہ

ادخلوا فی السلم کافۃ

ہمارے باخبر قارئین کی نظر سے یہ خبر گزر چکی ہوگی کہ یکم اکتوبر سے ۷ اکتوبر تک حکومت مزدوروں کا ہفتہ منا رہی ہے۔ یہ سطور سامنے آئیں گی تو یہ سلسلہ جاری ہوگا۔ اس ہفتہ کا مقصد کیا ہے؟ ہمیں اعتراف ہے کہ ہم عوامی حکومت کے دیگر کارہائے نمایاں کی طرح اس پروگرام کے متعلق بھی کچھ یقینی طور پر سمجھ نہیں سکے اور ویسے بھی ع "رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق یہ باتیں وہی سمجھ سکتے ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔

ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ جو طبقات موجودہ برسر اقتدار حضرات کی کامیابی کا باعث بنے ان میں ہمارے قابل صد احترام مزدور بھائی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن اس دورِ حکومت میں جتنے مزدور نشانہ ستم بنے اور موت کی آغوش تک میں گئے وہ بھی ایک ریکارڈ ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے مزدور بھائی بھی برسر اقتدار طبقہ سے کھچے کھچے سے نظر آتے تھے۔ اس بُعد و دوری کو ختم کرنے اور مستقبل قریب میں ہونے والے انتخابات میں ان حضرات کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے غالباً یہ اہتمام کیا گیا ہے۔

جہاں تک محنت و سرمایہ کا تعلق ہے ان میں محنت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اسلام نے اس کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا ہے اور صاحب ہنر اور محنتی لوگوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے "کاسب و مزدور" کو "حبیب اللہ" کے قابل احترام نام سے یاد کیا اور یہ پیغمبر اسلام ہی ہیں جنہوں نے ہاتھ کی کمائی کو سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی قرار دیا۔ اور پھر اس سلسلہ میں اللہ کے ایک برگزیدہ نبی حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال دی جو ہاتھ سے کمائی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی قدیم و جدید لٹریچر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ علیہم الرضوان، ائمہ مجتہدین اور دوسرے باخدا لوگ کسی پر بار بننے کے بجائے محنت و کسب کو ہی

ترجیح دیتے۔

جناب نبی کریم علیہ السلام نے مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرنے کا حکم دے کر مزدور کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا لیکن بدقسمتی سے آج کے دور میں جب کہ خود اسلام کے نام لیوا اسلام سے دور ہیں اور عملاً اسلام سے گریزاں۔ تو الحاد و دہریت کا شکار کچھ لوگوں نے مزدور کے حقوق کے نام پر تحریکیں شروع کیں، وہ اثرات مسلم معاشرے میں آئے اور یہاں بھی دیکھا دیکھی وہی نعرے سننے میں آنے لگے۔ لیکن خدا لگتی یہی ہے کہ ان تحریکوں نے حالات کو پہلے سے زیادہ بگاڑا ہے سنوارا کچھ نہیں۔ ان تحریکوں نے صنعتی بگاڑ میں انتہائی مؤثر کردار ادا کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اخلاقی قدریں ملیامیٹ ہو چکی ہیں، باہمی احترام رخصت ہو چکا ہے، صنعتی پیداوار میں قابل افسوس حد تک کمی آ چکی ہے۔ سرمایہ دار راتوں رات "دوسرا مل" لگانے کی فکر میں ہے تو مزدور بغیر کام کئے معاوضہ مانگتا ہے۔ گویا حقوق سب کو یاد ہیں فرائض کسی کو نہیں۔

ہمارے یہاں یہ جنگ پہلے کم تھی موجودہ حضرات کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہے۔ اور حکومت کی آئے دن کی بدلتی پالیسیوں کے پیش نظر حالات اور زیادہ خراب ہو رہے ہیں۔ ان حالات کی اصلاح کے نام پر "نیشنلائز" کا چکر چلایا گیا جس کے متعلق اسلام کا واضح تصور ہے یعنی یہ کہ اسلام کسی کی جائز کمائی کو ضبط کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن یہاں جائز و ناجائز کا مسئلہ ہی نہیں گندم گھن برابر پس رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان اقدامات سے ہمارے پلے کیا پڑے گا؟ یہی کہ ہم حقیقی امن و سکون سے محروم ہو جائیں گے اور بس۔

اس لیے ہم پوری دلسوزی کے ساتھ حکومت سے کہیں گے کہ وہ جذباتی اقدامات کے بجائے اسلام کے سایہ عاطفت میں پناہ لے کہ اس کے بغیر مسائل کا حل ناممکن ہے۔ اور اپنے سرمایہ دار اور مزدور بھائیوں سے بھی گزارش کریں گے کہ اسلام کے عادلانہ نظام کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ اس طرح اپنے ساتھ ملک قوم کی بھی صحیح خدمت ہوگی۔

علی

۶ شوال ۹۶ھ

مرزائی؟

عید سے ایک دو دن قبل ایک مختصر پمفلٹ ڈاک سے ملا جو اہالیان لودھراں کی طرف سے حکومت کے نام بصورت اپیل شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک قصبہ میں متعین مرزائی افسروں اور اہلکاروں کی فہرست ہے اور واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ارتداد کی کھلم کھلا تبلیغ کرتے اور فساد کی صورتیں پیدا کرتے ہیں۔

پھر ہمیں خبر ملی کہ ڈسکہ کے قریب ایک گاؤں کے مسلمان عید کی نماز پڑھ رہے تھے کہ مرزائیوں نے وہاں حملہ کر دیا۔ نتیجہ میں جواباً مدافعت ہوئی اور ایک مرزائی مارا گیا ۱۴ مسلمان زخمی ہوئے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ قانون کے محافظوں نے مدافعت کرنے والے ۱۸ مسلمانوں پر ۳۰۲ کے جرم میں اور جارحانہ کارروائی کرنے والے مرزائیوں پر محض معمولی دفعات ۱۰۷/۱۵۱ میں پرچے درج کئے۔

مرزائیت ملکی سطح پر جو کچھ کر رہی ہے یہ دو واقعات اس کا محض ایک نمونہ ہیں اور بیرونی سطح پر مرزا ناصر وغیرہ کے دورے کی جو تفصیلات ہیں ان سے آنکھیں بند کرنا خطرات کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ حکومت سے گزارش اس لیے بے سود ہے کہ اس کے اہلکار بسا اوقات حالات خراب کرتے ہیں۔ اور بالائی سطح پر بھی تب حرکت ہوتی ہے جب پانی سر سے گزر جائے اس لیے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اکابر سے گزارش ہے کہ وہ سر جوڑ کر کچھ سوچیں اس سے مختلف النوع حوادث کی روک تھام آسان ہوگی۔ خدا کرے ہماری نحیف آواز اکابرین ملت تک پہنچ جائے۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

متحدہ حزب اختلاف کے پارلیمانی قائد اور جمعیۃ علماء اسلام کے رہنما حضرت مولانا مفتی محمود زید مجدہم قریباً ڈیڑھ ماہ تک لاہور میں مقیم رہے۔ آپ کا یہ قیام دورۂ تفسیر کے طلبہ کو درس دینے کی غرض سے تھا۔ چنانچہ آپ نے اس دوران کمال استقامت سے روزانہ ۶، ۷ گھنٹے کے درمیان قرآن کے علوم و معارف سوا سو کے قریب طلبا کی جماعت کے سامنے بیان کئے۔

۲۱ رمضان المبارک (۱۷ ستمبر) کا جمعہ آپ نے مسجد شیرانوالہ میں پڑھایا۔ جہاں حاضری مثالی تھی اور دور دراز علاقوں سے لوگ آئے تھے۔ اس موقعہ پر آپ کے خطاب کی تفصیلی رپورٹ پیش خدمت ہے۔ (علوی ۱۸.۹.۷۶)

جہاد ◎ اہم ترین عبادت

جس کی خاطر

تمام فرائض موقوف ہو سکتے ہیں

اما بعد:-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ .... فَلْيَصُمْهُ-

برادرانِ محترم! رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا ہے۔ یہ مہینہ بڑا ہی مبارک مہینہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:- کہ

"رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے۔ جس میں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل ہوئی۔ یہ قرآن لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اس میں واضح دلائل موجود ہیں۔ اسلام کی حقانیت کے، اسلام اور کفر میں فرق کرنے کے لیے، قرآن کریم کی ہدایت اور قرآن کے بینات (کھلی آیات) اتنے واضح ہیں کہ اگر کوئی بھی ذی نظر انسان ان بینات میں فکر کرے، سوچے تو وہ ضرور ہدایت کے راستے پہ گامزن ہو جائے گا۔"

پھر اس مہینہ میں اللہ نے ایک خصوصی فرض عائد کیا فَمَنْ شَهِدَ الخ جو شخص بھی اس مہینہ کو پالے، اس مہینہ میں حاضری دے دے۔ یہ لازم ہے کہ اس مہینہ میں روزے رکھے۔

نزولِ قرآن، یہ کائنات کے خلق کے بعد، جب یہ کائنات عالم وجود میں آئی ہے۔ اس کے بعد اس میں سب سے بڑا انقلاب وہ نزول قرآن ہے۔ قرآن کریم ایک انقلابی کتاب ہے۔ اور اتنا عظیم انقلاب کہ نہ اس سے پہلے ایسا انقلاب آیا۔ اور نہ اس کے بعد ایسا انقلاب آئے گا۔

اس مہینہ میں جب قرآن کا نزول ہوا تو قرآن کریم کی حفاظت، قرآن کریم کے احکام کی حفاظت، قرآن کریم کے مطالب، معانی، مفاہیم کی حفاظت، الفاظ کی حفاظت کیلئے آپ نے بڑے بڑے جہاد کئے، غزوات میں آپ خود تشریف لے گئے۔ ان غزوات میں سب سے بڑا غزوہ غزوہ بدر یا غزوہ فتح مکہ، یہ دونوں غزوات سب سے زیادہ اہم اور بنیادی غزوات ہیں۔

میرے محترم دوستو! غزوہ بدر بھی کامیابی پر منتج ہوا تھا۔ رمضان کے مہینہ میں، بدر کی کامیابی یہ رمضان کے مہینہ میں ہوئی۔ اسی طرح فتح مکہ بھی رمضان میں!

آپ تو یہ سمجھتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں آرام کے ساتھ کسی سائے میں بیٹھ کر، سو کر وقت گزارنا بھی عبادت ہے۔ لیکن جناب نبی کریم علیہ السلام نے سب سے پہلا غزوہ بدر کے مقام میں بے سرو سامانی کے عالم میں، عدد کی قلت کی حالت میں، مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہونے کی حالت میں اس رمضان میں لڑا۔ اور دنیاء کفر کی کمر توڑ دی۔ کفر کی پہلی شکست، وہ ہوئی ہے غزوۂ بدر میں۔ اس سے پہلے تو ایک دو غزوات ہوئے لیکن ان میں لڑائی تک نوبت نہیں پہنچی، آمنا سامنا نہیں ہوا صرف سفر ہوا۔ سب سے پہلے جب کفار سے مقابلہ ہوا اور اسلام کی برتری کے لیے جان دینا بھی فرض ہو گیا۔ وہ غزوہ بدر تھا۔ اس میں ستر بڑے بڑے (صنادید) قریش کے، کفار کے سردار قتل ہوئے۔ ابو جہل قتل ہوا، امیہ بن خلف قتل ہوا، شیبہ قتل ہوا، ولید بن عتبہ بہت بہادر نوجوان قتل ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس غزوہ نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔

یہ پہلا غزوہ اور اس کے بعد فتح مکہ، مکہ مکرمہ کو جب فتح کیا، جہاں سے دین اسلام کی فتح کے دروازے کھول دیے گئے۔ تمام عرب قبیلے اس بات کے منتظر تھے کہ آپؐ کا قریش مکہ سے جو مقابلہ ہو رہا ہے، اپنے خاندان سے مقابلہ ہو رہا ہے پہلے اس کا تماشہ دیکھ لو، آرام سے بیٹھ کر دیکھو اگر قریش مکہ غالب آجاتے ہیں تو یہ نیا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قریش مکہ کو شکست ہو جاتی ہے۔ وہ اسلام کو قبول کر لیتے ہیں، اسلام کے غلبہ کو تسلیم کر لیتے ہیں تو اس کے بعد پھر ہم سمجھیں گے کہ اب اسلام غالب آگیا ہے، اب یہ پھیلے گا تو ہم بھی اس میں شامل ہو جائیں گے۔

تو عرب کے تمام قبائل اس انتظار میں تھے کہ قریش مکہ کا اور آپ کا، آپس میں فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ لیکن جب مکہ فتح ہوا اور مکہ میں کوئی شخص بھی وہ مسلمان ہوئے بغیر نہ رہ سکا، قریش مکہ اور سب کی

نماز، روزہ اور دوسری عبادات کے بغیر
دعویٰ اسلام محض ایک دعویٰ ہے

بلا استثنا مسلمان ہو گئے اور آپؐ نے ان کی گزشتہ غلطیاں معاف کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم، انتم الطلقاء۔

کہ آج آپ پر کوئی مواخذہ نہیں، آپ آزاد ہیں۔ سب کو آزاد کر دیا۔ آپؐ نے مکہ میں عام امن کا اعلان کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ اَغْلَقَ بَابَہٗ دونہ فھو اٰمِنٌ۔ جس نے بھی اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اسے امن ہے۔

وَمَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ۔

جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوا اسے امن ہے۔

کوئی قتل عام نہیں ہوا، خون نہیں بہایا گیا اور بغیر خون بہائے مکہ مکرمہ کے لوگ مسلمان ہوئے، کعبے کے بت توڑ دیے گئے، کعبہ مکرمہ کو صاف کر دیا گیا، بت پرستی کا دور ہی ختم ہو گیا۔ اور سب ایک خدا کو پوجنے لگے۔ اس کے بعد کیا تھا؟

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ جب اللہ کی مدد آئی اور مکہ فتح ہو گیا اور یہ آپ نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، تمام عرب کے قبائل پورے کے پورے قبیلے اسلام میں دھڑا دھڑ داخل ہو رہے تھے۔ یہ فتح مکہ کے اثرات تھے، یہ بھی رمضان کے مہینہ میں ہوا۔

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں صرف روزہ ہی رکھنا ہے اور اس سے بڑی اور کوئی بات نہیں۔ گھر بیٹھو، آرام سے بیٹھو، کاروبار بھی مت کرو۔ ٹھنڈے سایہ میں بیٹھو، کوئی کام مت کرو۔ لیکن اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

مسلمانوں کو لے کر اس مہینہ میں قرآن کی حفاظت کے لیے جہاد کیا۔ گرمی کا زمانہ، فتح مکہ کے موقع پر جب مسلمان منزل بہ منزل مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے تو سفر تھا اور شدید گرمی تھی، رمضان تھا، روزے ترک کرنے کے لیے حضور ؐ نے اجازت دے دی۔

قرآن کریم کی اسی آیت میں آتا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا الآیہ۔

اگر تم میں سے کوئی شخص مریض ہے یا سفر پر ہے تو رمضان کے بغیر دوسرے دنوں کی گنتی کر لو۔ قضا کر لو۔ تو آپ نے لوگوں کو افطار کی اجازت دے دی کہ سفر ہے۔ جہاد پر جا رہے ہو، گرم علاقہ ہے، افطار کر لو۔

لیکن صحابہ کرام ؓ نے جب دیکھا خود آپ روزہ سے ہیں تو وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ آپ تو روزہ سے ہیں اور ہم افطار کر لیں؟ کسی نے بھی اس رخصت پر عمل نہ کیا۔ آخر جب آپ نے محسوس کیا کہ انہیں بڑی سخت تکلیف ہو رہی ہے، گرم علاقہ ہے پیدل سفر ہے زیادہ سے زیادہ اونٹ، اس طرح انہیں تکلیف ہو رہی ہے اور یہ کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر جہاد میں بدن کی توانائی بھی شرط ہے تو آپ نے اونٹ پر سوار ہو کر دودھ کا پیالہ منگوایا اور سب کے سامنے پیالہ نوش جاں فرمایا۔ اس کے بعد پھر صحابہ کرام ؓ نے بھی روزے افطار کیے۔ لیکن کچھ ایسے مجاہد پھر بھی تھے جو روزے سے تھے۔ اور جب ایک منزل پر پہنچے جہاں سستانا، سامان کی ترتیب، اونٹ کو آرام پہنچانا، تو روزہ دار تو پڑے رہے کوئی کام نہ کر سکے اور جو بغیر روزہ سے تھے انہوں نے سارے کام کر لیے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

"آج روزہ چھوڑنے والے ثواب میں آگے نکل گئے روزہ رکھنے والوں سے"۔

غرض یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جد و جہد کرنا، قرآن کریم کی حفاظت کے لیے سعی جاری رکھنا اتنا بڑا اہم فرض ہے کہ اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا جبکہ رمضان کے روزے ترک ہو سکتے ہیں (اس لیے کہ روزے کی قضا ہے جہاد کی نہیں) اس سے جہاد کی اہمیت واضح ہے کہ رمضان کا مہینہ، جس میں روزہ کی فضیلت اتنی ہے کہ بخاری شریف کی حدیث ہے نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

"اگر رمضان میں ایک شخص نے ایمان و احتساب (اللہ پر نیک اعمال کے سلسلہ میں نیک اجر کا گمان) کے ساتھ روزے رکھ لے تو پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔

اتنی اہم عبادت، تقرب خداوندی کا اتنا اہم ذریعہ جس میں نفس کو کنٹرول کر لیا جاتا ہے، نفس کے تقاضوں کے علی الرغم عمل ہوتا ہے، اتنی اہم عبادت ہے، لیکن جہاد کو اس پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ روزوں کی قضا ہے۔ جہاد کی نہیں اور جہاد کو روزوں کے لیے موقوف نہیں کیا جا سکتا۔

میرے محترم دوستو! یہ محض روزوں کی بات نہیں۔ یہ عبادت جہاد کے لیے موقوف ہو سکتی ہے۔ اسے سب پر فضیلت حاصل ہے۔ نماز کو دیکھو۔ اگر جہاد کے میدان میں نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ دشمن کا خطرہ ہے کہ وہ دوران نماز حملہ آور ہو جائے گا۔ تو اس سلسلہ میں صلوٰۃ خوف کا حکم ہے۔ قرآن میں آیات نازل ہوئیں، نماز کا طریقہ تبدیل کر دیا گیا۔

امام کھڑا ہو۔ مسلمانوں کی دو جماعتیں بنائی جاتیں، ایک جماعت امام کے ساتھ نیت باندھ لے دوسری دشمن کی طرف رخ کر کے کھڑی ہو جاتے۔ پہلی جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے پھر دوسری جماعت آ جاتے۔ اور امام کے ساتھ ایک رکعت وہ پڑھ لیں۔ دوسری رکعت پر امام نے سلام پھیرا تو یہ جماعت واپس چلی جائے۔ پہلی جماعت آ جائے۔

جہاد محض تلوار سے نہیں ہوتا۔
یہ تو اس کی ایک صورت ہے

گویا امام کی دو رکعتوں کو ان دو جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔
نماز میں چلنا پھرنا ممنوع ہے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن میدان جہاد میں جائز۔ قبلہ کی طرف سے پھر جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں نہیں ٹوٹتی — استقبال قبلہ فرض ہے یہاں وہ ساقط! نماز میں سکون فرض ہے یہاں وہ ساقط!

یہ قرآن کریم کی آیات کا میں ترجمہ پیش کر رہا ہوں — اور حضور علیہ السلام نے اس طرح نماز پڑھائی —۔ دیکھئے! جہاد کے لیے نماز کے طریقے، اس کے فرائض تک تبدیل ہو گئے۔ تبدیلی آئی تو نماز میں آئی۔ جہاد کے موقف کو برقرار رکھا گیا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ دشمن نے حملہ نہیں کیا، خطرہ ہے کہ کہیں حملہ کر دے تو اس صورت میں صلوٰۃ خوف ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ خوف ہے تو کہتے ہیں چلتے چلتے پڑھ لو، پیدل چلو تو بھی پڑھ لو، سوار ہو جاؤ تو اس صورت میں پڑھ لو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا الآیہ

عام حالات میں سوار ہو کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ (نفل جائز ہیں) لیکن صلوٰۃ خوف میں فرض نماز بھی سواری پر جائز ہے۔ اور چلتے چلتے بھی!

دیکھیں نماز اہم ترین فرض ہے۔ اسلام میں سب سے اہم ہے۔ حدیث میں ہے؛

اَلصَّلٰوۃُ اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔

لیکن اگر اور خوف زیادہ ہو جائے، لڑائی دست بدست جاری ہے۔ نماز کا وقت آ گیا اور جہاد و نماز کا کسی طرح جمع کرنا ممکن نہیں۔ نہ دو جماعتیں بنا کر، نہ چلتے پھرتے نہ سواری پر۔ ایسے میں نماز کا فرض چھوڑنا ضروری ہے۔

جناب نبی کریم علیہ السلام نے خندق کے موقع پر چار نمازیں قضا کیں۔ عصر کی نماز قضا کی جو سب سے اہم ہے۔ وجہ جہاد کی مصروفیت تھی۔ اور جب فتح ہوئی، اور کفار کے تمام احزاب بھاگ گئے، منتشر ہو گئے تو آپ نے وہیں صحابہ کو اکٹھا کیا کہ آؤ نماز پڑھیں۔ آپ نے چاروں نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھائیں۔ اور آپ نے بددعا فرمائی۔

مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا شَغَلُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰى صَلٰوۃِ الْعَصْرِ۔ کہ اللہ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہماری ایک بہت اہم نماز عصر بھی قضا کرا دی۔

آپ نے دیکھا کہ نماز کی تو قضا ہوتی، اسے موقوف کر دیا۔ لیکن جہاد کو موقوف نہیں کیا کہ اس کی قضا ناممکن ہے۔

تو معلوم ہوا کہ روزہ کی عبادت رمضان میں اگرچہ کتنی اہم ہے لیکن جہاد اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔

میں نماز اور روزہ کی عبادت کی اہمیت کو کم نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کے تصور میں یہ بات نہ آ جائے کہ میں اہمیت کم کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی بات نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ عبادات اتنی اہم ہیں کہ جو ان کو ادا نہیں کرتا وہ اپنے کو مسلمان کیوں کہلاتا ہے؟ کیا ضرورت ہے؟ دھوکہ کیوں دیتا ہے؟

بس اللہ تعالیٰ نے تقسیم فرما دی۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جائے تب بھی نماز کا وقت آئے گا تو وہ زنجیریں تڑوا کر بھی نماز پڑھیں گے۔ نماز کے لیے اذان سن کر ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ بغیر کسی عذر نماز قضا کر دیں گے۔ حتیٰ کہ انہیں زنجیریں باندھ کر لے جاؤ۔ تب بھی نہ جائیں گے۔

تو بہر حال میں ان کی اہمیت کم نہیں کرنا چاہتا، وہ بہت اہم ہیں اور ان کے بغیر دعوائے اسلام میرے نزدیک محض دعویٰ ہے۔ لیکن میں جہاد کی اہمیت بتانا چاہتا ہوں کہ اتنی اہم عبادات اس کے لیے موقوف ہو جاتی ہیں۔

جہاد۔ اعلاء کلمۃ اللہ، قرآنی احکام کے نفاذ کے لیے، وہی قرآن جو اس ماہ میں اترا۔

اور میں کہتا ہوں کہ ۱۱ مہینوں کے مقابلہ میں اس ماہ میں جہاد زیادہ ضروری ہے۔ جب اس ماہ میں قرآن نازل ہوا اور اس ماہ میں عام طور پر قرآن پڑھنے

ہیں، تراویح ہیں، تہجد ہیں۔ تو اس کی حفاظت و نفاذ کے لیے جدوجہد کیوں نہیں؟

جہاد کے کیا معنی؟ اس کا معنی صرف یہ نہیں کہ تلوار اٹھا کر ایک کافر کا سر اڑا دو۔ یہ بھی جہاد میں آجاتا ہے، کبھی ایسے مواقع سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن اس کا اصل معنی ہے کہ

"اپنی تمام تر طاقتوں کو جو اللہ نے تمہیں ودیعت فرمائیں۔ انہیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے استعمال کرو، انہیں داؤ پر لگا دو۔"

اب استعمال کیسے کرو؟ وہ تمہیں وقت بتلائے گا کہ اب کیا کرنا ہے؟ ہر وقت کے تقاضے ہوتے ہیں۔ ہر زمانے کے تقاضے ہوتے ہیں اور ہر قوم کے!

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تلوار سے لڑائی ہوتی ہے، کبھی تلوار سے آگے بڑھ کر بندوق اور توپ کا دور آجاتا ہے۔ کبھی اس سے آگے بڑھ کر بم کا زمانہ آجاتا ہے

پھر زبان کی بھی جنگ ہوتی ہے
افہام و تفہیم کی جنگ ہوتی ہے
ذہن سازی کی جنگ ہوتی ہے
مسلمانوں کی قوت کو متحد کرنے کے لیے جہاد ہوتا ہے
یہ مواقع اور محل کی بات ہے۔

کفر کی دو قسمیں ہیں
خارجی اور داخلی۔ خارجی کفر دارالحرب کا کفر ہے اور داخلی کفر اندرونی ہوتا ہے اور ہمیں دونوں قسم کے کفر سے واسطہ پڑتا ہے۔ خارجی کفر کے لیے باقاعدہ ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہلک قسم کے ہتھیار، اور ہتھیار کی فراہمی بھی جہاد ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة
اللہ نے فرمایا کہ تم کفار کے مقابلہ میں اپنی قوت تیار کرو اپنی استطاعت کے مطابق۔

مقصد یہ ہے کہ کفر کے توڑنے کے لیے تمہارے پاس اسباب ہونے چاہئیں۔ اس طرح ہتھیاروں کی فراہمی فرض ہے جس طرح اقیموا الصلاۃ فرض ہے۔ آپ بتائیں کہ آج اسلامی ملک اس اہم فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں؟ انہوں نے کفار کے مقابلہ کے لیے اپنی فوجیں منظم کر لیں؟ کفر کے پاس ایٹم بم ہیں تمہارے پاس نہیں۔ انتہائی افسوس ہے کہ کسی ایک بھی ملک اسلامی میں ایسا نہیں حتی کہ سب مل کر بھی ایسا نہیں کر پاتے۔

مسلمان حکومتیں دولت سے مالا مال ہیں۔ تیل کے چشمے (سیال سونا) خدا نے ان کو عطا فرمایا۔ یورپ کے بینک ان کی دولت سے چل رہے ہیں، اگر یہ اپنی دولت نکال لیں تو ان کے بینک دیوالیہ ہو جائیں۔ لیکن دولت کیا چیز ہے؟ جب تم اس کو کام میں نہیں لاتے۔ دولت ہے سیاسی قوت نہیں۔ اور بڑی طاقتیں آپ کو قوت سے محروم رکھنا چاہتی ہیں۔

تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی بھی اسلامی ملک نے ایٹم بم نہیں بنایا تو یہ اللہ کے اس فرض کے تارک ہیں، گنہگار ہیں۔

خارجی اور بیرونی کفر کا تم کس طرح مقابلہ کرو گے؟ تم نے طیاری ہی نہیں کی۔ اس لیے وہ آپ پر مسلط ہیں۔ آپ کے معاملات میں مداخلت کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں آپ کچھ نہیں۔ آپ احساس کمتری کا شکار ہیں کہ ہم ان کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں،

اللہ کی عطا کردہ تمام توانائیوں کو
اعلاء کلمۃ الحق کے لیے
خرچ کرنے کا نام جہاد ہے

باوجودیکہ اگر ایمان کی طاقت ہو، اللہ پہ بھروسہ ہو، اس پر اعتماد ہو تو ظاہری اسباب کے بغیر بھی مقابلہ ممکن ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

جناب نبی کریم علیہ السلام نے اس وقت دو بڑی طاقتوں کو چیلنج کیا تھا۔ قیصر روم اور کسریٰ فارس۔ اس وقت دو بڑی حکومتیں اور عالمی طاقتیں دو تھیں جیسے آج بھی دو ہیں۔ آپ نے قیصر روم اور کسریٰ فارس کو ایک مضمون کا گرامی نامہ لکھا۔ جبکہ آپ کے پاس تو اسلحہ فیکٹری تھی۔ کوئی آرڈیننس فیکٹری نہیں تھی، کوئی ٹکسال نہیں تھا، سونے کے ذخائر نہیں تھے لیکن ایمان

کی قوت تھی۔ آپ نے لکھا:

مِن محمد عبد اللہ و رسولہ الی ھرقل روم
السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ اما بعد فاسلم
تسلم۔

اختصار کے ساتھ کیا خط ہے اور کتنی قوت ہے
اس میں فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ۔ دو ٹوک الفاظ۔
اطاعت قبول کر لے بچ جائے گا۔ اشارہ کر دیا کہ
اگر تم نے اطاعت قبول نہ کی تو تم بچ نہیں سکتے۔

تو میرے محترم دوستو! قیصر روم کو بلا دیا۔ قیصر روم نے وہاں جو قریشِ مکہ تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے اس جماعت کو بلایا۔ ان سے سوالات کیے حضورؐ کے بارے میں۔ کیسا آدمی ہے؟ کَیْفَ نَسَبُہٗ فِیْکُمْ۔ اس کا نسب کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا ھُوَ فِیْنَا ذُوْ نَسَبٍ۔ وہ ہم میں بڑے نسب والا ہے۔ وہ شریف خاندان ہے۔ یہ جماعت قریشِ مکہ کی جو تجارت کے لئے گئی تھی۔ اس کا سردار تھا ابوسفیان۔ حضرت ابوسفیانؓ جو حضرت امیر معاویہؓ کے والد تھے فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔ پہلے غزوۂ احد میں یہ مشرکین کی فوج کے سالار تھے۔ مقابلہ حضورؐ کا ابوسفیان کی طرف سے ہوتا تھا۔ ہر کافر لشکر کے سردار یہ ہوتے تھے۔ جب ہرقل روم نے ان کو بلایا تو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس نے اس جماعت سے پوچھا تم میں سے زیادہ اس پیغمبر کے نسب کے اعتبار سے کون قریب ہے۔ ابوسفیان زیادہ قریب تھا نسب کے اعتبار سے۔ چوتھے باپ میں حضورؐ کے ساتھ ان کا اشتراک ہو جاتا تھا۔ حضورؐ کے والد محترم عبد اللہ، ان کے والد عبد المطلب، ان کے والد ہاشم۔ تین جو آپ کے والد تھے عبد اللہ ابن عبد المطلب ابن ہاشم۔ اور ہاشم کا باپ عبد مناف تھا۔ عبد مناف میں ابوسفیان بھی ان کا شریک ہو گیا۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ ایک تو یہ ہاشم جو حضورؐ کے پردادا تھے۔ ایک تھے عبد شمس، ایک تھے نوفل اور ایک مطلب۔ چاروں سے نسل چلی۔ ابوسفیان عبد شمس کی اولاد سے تھا۔ حضورؐ ہاشم کی اولاد سے تھے۔ ہاشم اور عبد شمس دونوں بھائی تھے۔ عبد مناف کے بیٹے تھے، یہاں دونوں مل گئے۔ ابوسفیان اس کا نام تھا صخر۔ باپ کا نام حرب، دادا کا نام امیہ، پردادا کا عبد شمس۔ چوتھا باپ ان کا بھی عبد مناف ہے اور حضورؐ کا بھی۔

آج کے مسلم ممالک بھاری اسلحہ نہ بنا کر
ایک حکم خداوندی
پورا نہ کرنے کے مجرم ہیں

اور بہت سی باتیں کیں۔ کہ یہ بتاؤ۔ ان کی تعلیم کیا ہے؟ کیسی تعلیم دیتے ہیں؟ کیا چیزیں بتاتے ہیں؟ مَا یَاْمُرُکُمْ۔ قَالَ یَاْمُرُنَا۔ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا۔ وہ ہمیں کہتا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔ اس کی عبادت کرو اور امر کرتا ہے۔ یَاْمُرُنَا بِاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ نماز پڑھنے کا، زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یَاْمُرُنَا بِصَدَقَۃٍ۔ وَالصِّدْقِ وَالْعِفَافِ۔ صدقہ کرو، صلہ رحمی کرو اور اپنے آپ کو عفیف رکھو۔ بے حیائی کے قریب مت جاؤ۔ تعلیم تو یہ ہے۔ اور کہا کہ ان کے قریب کون جاتے ہیں۔ کمزور لوگ یا وڈیرے قسم کے لوگ۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ کمزور لوگ جو ہمارے ہاں غریب لوگ ہیں۔ وہ ان کے پاس جاتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں۔ ہرقل روم نے کہا کہ ہمیشہ پیغمبروں کے ساتھ غریب اور کمزور لوگ ہی رہے ہیں وڈیرے کبھی پیغمبروں کے پاس پہلے نہیں آئے۔ ہمیشہ رسولوں کے جو پہلے "تابعین ہوتے ہیں" ملنے والے ہوتے ہیں وہ ضعیف لوگ ہوتے ہیں۔ اور جب گاڑی چل پڑتی ہے تو چلتی گاڑی میں تو ہر ایک سوار ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہرقل قیصر روم نے یہ کہا۔ اِنْ کَانَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا فَسَیَمْلِکُ مَوْضِعَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ۔ ابوسفیان سے کہا کہ تم نے جو باتیں مجھے ان کے بارہ میں بتائی ہیں۔ بڑی تفصیل ہے۔ بیان نہیں کر سکتا۔ اگر یہ درست ہے تو میرے پایۂ تخت جو میرے قدموں کے نیچے جگہ ہے اس کا وہ عنقریب مالک ہو جائے گا۔

صحیح بخاری کی روایت ہے وہ ہرقل قیصرِ روم

نصرانی مذہب کا تھا۔ انجیل کا بہت بڑا عالم تھا۔ ابوسفیان کی باتوں سے سمجھ گیا۔ کیونکہ ابوسفیان سے یہ پہلے کہا تھا کہ تم آگے کھڑے ہو جاؤ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ تم قطار بنا کر اس کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ ابوسفیان کو سوال جواب کے لیے آگے کیا اور ان کو پیچھے۔ اور اس کے ساتھیوں سے کہا۔ کہ دیکھو اگر یہ کسی بات کے جواب میں جھوٹ بولے تو تم پیچھے سے کہو کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ تم اس کو جھٹلاؤ۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ مجھے ڈر بھی لگتا تھا کہ کہیں میں جواب دوں تو پیچھے سے وہ کہہ دیں جھوٹ بولتا ہے۔ اور پھر یہ مشہور ہو جائے گا کہ عرب لوگ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔

ذرا اندازہ لگائیں کافر ہیں۔ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے۔ بعد میں مسلمان ہوئے صحابی ہوئے۔ قومی حیثیت سے جھوٹ کو عیب سمجھا جاتا تھا کہ کہیں روم کے لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ عرب لوگ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ مجھے خطرہ اس سے تھا ورنہ ابوسفیان کہتا ہے میں کئی جھوٹ بول لیتا۔

محترم دوستو! آپ اندازہ لگائیں۔ ایک کافر کو اس بات کا کتنا احساس ہے کہ اگر وہ جھوٹ بولے گا تو اس کا قومی وقار متاثر ہوگا اور اس کے ملک کی عزت پر حرف آئے گا۔ لیکن دوسری طرف آج آپ اپنے معاشرہ پر نگاہ ڈالیں کہ ہمارا سارا کاروبار ہی جھوٹ پر چل رہا ہے۔ دکاندار گاہک سے جھوٹ بول کر خوش ہے کہ کچھ دام کھرے کر لیے۔ عدالتوں میں قرآن کی جھوٹی قسمیں کھا کر ہمیں سرور حاصل ہوتا ہے کہ جان چھوٹ گئی۔ ووٹ لیتے وقت بعض لوگوں نے روٹی، کپڑے اور مکان کا لوگوں سے وعدہ کیا تھا۔ لیکن آپ نے روز روشن کی طرح ان وعدوں کی حقیقت معلوم کر لی کہ انتخابی تمام دعوے جھوٹ کا پلندہ تھے۔ اس پر دعویٰ یہ ہے کہ ہم سب بدھے، بچے اور کھرے مسلمان ہیں۔ گویا ایک کافر تو جھوٹ کو عیب شمار کرے لیکن ہم مسلمان ہو کر دن رات عوام سے جھوٹ بولیں تو کوئی عیب نہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔

وقت کافی گزر چکا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل کی اعلیٰ صفات سے مرصّع اور مزین فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بقیہ: احادیث الرسولؐ

غفلت برتتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو پلے باندھیں اور اس پر عمل کریں ہمیں گناہ سے پرہیز کرنا چاہیے۔ خواہ یہ ظاہری طور پر کتنا ہی دل فریب اور حسین ہو اور خواہ ظاہر معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

بنات اسلام

بریدہ خاتون

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

عائشہ نام، اُمّ عبداللہ کنیت، صدیقہ لقب، باپ کا نام ابوبکر بن ابی قحافہ تھا۔ حضرت عائشہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے کنیت بھی نہ تھی۔ چونکہ عرب میں کنیت شرافت کا نشان سمجھی جاتی ہے اس لیے آپ کو اس کا زیادہ خیال تھا ایک بار آپ نے آنحضرت صلعم سے کہا یا رسول اللہ اور عورتیں کنیت سے مشہور ہیں۔ میری بھی کنیت تجویز فرما دیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم اپنی کنیت عبداللہ کے نام سے رکھ لو۔ عبداللہ حضرت عائشہ کی بہن کے بیٹے تھے۔

ولادت

تاریخ کی کتابوں میں بالعموم حضرت عائشہ کا سال ولادت نظرانداز کر دیا گیا ہے، لیکن چونکہ وہ ہجرت سے تین سال پہلے آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں جبکہ ان کی عمر چھ سال تھی۔ اور اس پر ارباب تحقیق کا اتفاق ہے۔ اس لیے اُن کا سال ولادت ۹ قبل ہجرت قرار پاتا ہے۔ حضرت عائشہ کا عالم طفولیت بھی عام بچوں سے ممتاز ہے ان کے بچپن میں بھی وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جن سے ان کی ذکاوت و ہوشمندی کا پتہ لگانا چنداں دشوار نہ تھا۔ عہد طفولیت کی باتیں عموماً دل سے فراموش ہو جاتی ہیں، مگر حضرت عائشہ کو اپنے لڑکپن کا ایک ایک بات یاد تھی جب رسول اللہؐ نے ہجرت فرمائی تو ان کی عمر کا آٹھواں یا نواں سال تھا، لیکن ہجرت کے واقعات کا تسلسل جتنا حضرت عائشہ کے حافظہ کا ممنون ہے کسی دوسرے صحابی کا نہیں۔ بخاری نے تفسیر سورۃ قمر میں لکھا ہے کہ جب (آیت) بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی و امر۔ مکّہ میں نازل ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہؓ کھیل رہی تھیں۔ دیکھیے یہ واقعہ بھی امام بخاری نے حضرت عائشہ کی زبانی نقل کیا ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہ گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے۔ آپ نے استفسار فرمایا۔ عائشہ یہ کیا ہے، جواب دیا کہ گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے انہوں نے برجستہ کہا کیوں حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پر تھے آپ اس بے ساختہ پن پر مسکرا دیئے۔

نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغموم دیکھ کر حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ نے آپ سے نکاح کی فرمائش کی تھی، مگر یہ ذکر عمداً ترک کر دیا گیا تھا کہ خولہ سے آنحضرتؐ نے استفسار فرمایا تھا کہ کس سے کروں تو خولہ نے عرض کیا کنواری اور بیوہ دونوں طرح کی عورتیں موجود ہیں۔ سودہ بنت زمعہ بیوہ تھیں اور عائشہ بنت ابی بکر کنواری۔ جس کی نسبت فرمائیے۔ سلسلہ جنبانی کی جائے۔ غرض خولہ آنحضرتؐ کا ایما پاکر حضرت ابوبکرؓ کے یہاں آئیں اور اُن سے ذکر کیا۔ اس زمانہ میں منہ بولے بھائی کی حیثیت سگے بھائی سے کم نہ تھی اور یہ رسم زمانہ جاہلیت سے چلی آتی تھی حضرت ابوبکر نے تعجب سے کہا کیا بھائی کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں

جب تمام امور طے ہو گئے تو چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہ نبوت کے دسویں برس ہجرت سے تین سال پہلے آنحضرتؐ کے حبالہ نکاح میں آگئیں۔

محبت شوہر

رسول اللہؐ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا حضرت عائشہ نے ان کو محفوظ رکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو آپ کا تہ بند اور کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپؐ نے ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا، ایک بار آپ ایک کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ اس پر دھبے نظر آتے ہیں آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیا کہ دھو کر خشک کر دے حضرت عائشہ نے پانی منگوایا اپنے ہاتھ سے داغ دھوئے اور کمبل خشک کر کے بھیج دیا۔ آپ گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ کو نہایت محبوب تھیں۔ بلکہ سب سے زیادہ انہی کو آپ کا شرف خدمت حاصل تھا۔

سخاوت

ایک روز آپ روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے کچھ موجود نہ تھا اس حالت میں ایک مسکین عورت آئی تو آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ وہ روٹی اس کو کھلا دے اس نے عرض کی افطار کس چیز سے کیجئے گا۔ بولیں اللہ مالک ہے شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ لونڈی کو بلا کر کہنے

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

ثمرات الاوراق

مسلسل

انتخاب لاجواب

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل صاحب

(بے مثل ذکاوت) مسئلۂ دیناریہ ۱

منجملہ مسائل فرائض کے مسئلہ دیناریہ ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ ایک عورت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت دولت خانہ سے سوار ہونے کے ارادہ سے تشریف لائے تھے اور رکاب میں پاؤں رکھا تھا۔ عورت نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! میرا بھائی مر گیا ہے اور اس نے چھ صد دینار ترکہ چھوڑا ہے اور ورثا نے متوفی کے ترکہ سے مجھے صرف ایک دینار حصہ دیا ہے۔ میں آپ سے اپنا حق اور انصاف چاہتی ہوں (کہ اتنے قریب رشتہ کے ہوتے ہوئے چھ صد دینار سے ایک دینار دینا بظاہر ظلم معلوم ہوتا ہے) آپ نے اس سے فرمایا۔ تیرے بھائی نے دو بیٹیاں چھوڑی ہیں، خاتون نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا دو تہائی تو ان کا حصہ ہے یعنی چارسو دینار متوفی کی والدہ بھی ہے؟ کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا چھٹا حصہ اس کا ہے یعنی ایک سو دینار، کیا متوفی کی بیوی بھی ہے، کہا ہاں! آپ نے فرمایا آٹھواں حصہ اس کا ہے یعنی پچھتر دینار (یہ کُل پونے چھ صد دینار ہوئے پچیس دینار باقی رہے)۔ آپ نے دریافت کیا کہ متوفی کے بارہ بھائی بھی ہیں۔ اس نے کہا ہاں! فرمایا ہر بھائی کو دو دینار ملیں گے (چوبیس ۲۴ یہ ہوئے) اور تیرا حصہ ایک دینار ہے۔ پس تو اپنا حق لے چکی ہے جا۔ پھر اسی وقت سوار ہو گئے۔ (مطالب السئول صـ۹۰)

مسئلہ منبریہ ۲

منجملہ ان مسائل فرائض کے مسئلہ معروف منبریہ ہے۔ اور بیان اس کا یہ ہے کہ آپ منبر کوفہ پر وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص اٹھا اور عرض کرنے لگا۔ امیر المؤمنین! میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کے ترکہ میں میری بیٹی کا آٹھواں حصہ آیا ہے اور ورثا نے اس کو نواں حصہ دیا ہے (جو اس کے حق سے کم ہے) آپ سے انصاف چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے داماد نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا اس کے ماں باپ بھی ہیں۔ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں (بوجہ عول کے) صَارَ ثُمُنُهَا تِسْعًا فَلَا تَطْلُبْ سِوَاہُ اِذًا: ۔ اس کا آٹھواں حصہ نواں بن گیا ہے۔ اس کے سوا اور میراث مت طلب کر۔ ثُمَّ مَضٰی فِیْ خُطْبَتِہٖ ۔ پھر آپ خطبہ پڑھتے چلے گئے۔ (مطالب السئول)

ایک اور اہم فیصلہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ کے پاس صحابہ کرام کا مجمع تھا۔ آپ کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ایک گدھا تھا اور اس کا ایک بیل اور اس کے بیل نے میرے گدھے کو قتل کر دیا۔ بعض صحابہ نے کہا کہ بہائم (جانوروں) پر ضمانت نہیں ہوا کرتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ حضرت علیؓ نے دونوں سے پوچھا کہ کیا وہ دونوں جانور کھلے ہوئے تھے؟ دونوں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر کیا دونوں بندھے ہوئے تھے۔ دونوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا بیل بندھا ہوا تھا اور گدھا کھلا ہوا تھا۔ دونوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا گدھا بندھا ہوا تھا، اور بیل کھلا ہوا تھا اور اس کا مالک اس کے ساتھ تھا۔

دونوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ بیل والے کے ذمہ گدھے کا ضمان ہے اور یہ وجوب ضمانت کا فیصلہ آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا اور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا۔ (یعنی انکار نہیں فرمایا اور اس صورت میں یہی فتویٰ ہے)

(مطالب السئول صفحہ ۱۰۳)

گمنام قتل کا مقدمہ اور عجیب سراغ رسانی

سات شخص کوفہ سے مسافر ہو کر نکلے اور ایک مدت تک غائب رہے۔ پھر واپس آئے تو ایک شخص ان میں سے مفقود تھا۔ اس کی بیوی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی۔ امیر المومنین! میرا خاوند ایک جماعت کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا تھا۔ مدت کے بعد بجز میرے خاوند کے سب واپس آگئے ہیں۔ مجھے ان پر اس کے قاتل ہونے کا شبہ ہے اور میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ان کو بلا کر حقیقتِ حال کا انکشاف فرمایئے۔ آپ نے ان سب کو طلب کر کے مسجد کے ستونوں کے پاس الگ الگ کھڑا کر دیا اور ان پر ایک پہرہ دار مقرر فرما دیا تاکہ وہ آپس میں بات چیت نہ کر سکیں۔ بعدہٗ ان میں سے ایک شخص کو طلب کیا اور اس سے کچھ گفتگو فرمائی اور اس مفقود شخص کا حال پوچھا، اس نے قتل سے انکار کیا۔ جب اس نے انکار کیا تو آپ نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ فرمایا اللہ اکبر۔ پس جب دوسرے آدمیوں نے حضرت علیؓ کی تکبیر سُنی تو ان کو یقین ہو گیا کہ ان کے رفیق نے اقرار کر لیا ہے اور حضرت علیؓ سے صورتِ حال بیان کر دی ہے۔ پھر ان کو ایک ایک کر کے بلایا۔ سب نے اس کے قتل کا اقرار کیا۔ اس خیال کی بناء پر کہ ان کے رفیق نے حضرت علیؓ کو ان کے فعل کی خبر کر دی ہے۔ پس جب یہ سب اقرار کر چکے تو اس پہلے شخص نے کہا یا امیر المومنین انہوں نے اقرار کیا ہے لیکن میں نے تو اقرار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تیرے ساتھی ہیں اور انہوں نے (اسی اقرار کے ضمن میں) تجھ پر شہادت دے دی ہے۔ پس اب ان کی شہادت کے بعد تیرا انکار کوئی معنیٰ نہیں رکھتا چنانچہ اس نے بھی اقرارِ جرم کر لیا کہ وہ بھی اس شخص کے قتل میں ان کا شریک تھا۔ (اور یہ اقرار لینے کی ایک تدبیر تھی ورنہ شہادت کے لیے عدل شرط ہے اور قاتل عادل نہیں ہوتا تو اُن کی شہادت سے پہلا شخص مجرم نہیں ٹھہر سکتا تھا مگر اس تدبیر سے اس نے بھی اقرار کر لیا)

پس جب ان سب کا اقرار بالقتل مکمل ہو گیا تو آپ نے سب پر حکمِ الٰہی قائم کیا اور قصاص میں سب کو قتل کیا۔ (مطالب السئول صفحہ ۱۰۴)

ایک منکرِ خدا کا اسلام لانا

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ایک منکرِ خدا اعتراض کیا کہ آپ لوگ تعمیلِ احکامِ خداوندی میں کس قدر تکلیف اٹھا رہے ہو، حالانکہ نہ خدا ہے اور نہ قیامت۔ یہ جھگڑا تم نے خود اپنے سر تھوپ لیا ہے۔ حضرت موصوف نے یہ جواب دیا کہ دوراندیشی نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ دیکھو! اگر بالفرض تمہارا کہنا ہی صحیح ہوا تو ہمیں چنداں افسوس نہ ہوگا۔ تمہارے خیال کے مطابق ہمارا تو یہی نقصان ہوا کہ ہم چند روزہ زندگی میں آزاد منش رہے اور بس!

مگر دوست تم یاد رکھو اگر ہمارا کہا صحیح نکلا تو تمہاری بُری گت ہوگی اور بُری طرح پٹائی ہوگی اور ابدالآباد کی جلتی بلتی آگ میں جو کبھی نہ بجھے گی ڈالے جاؤ گے۔ اور وہاں دانت پیسو گے اور انگلیاں کاٹو گے۔ جب اس نے یہ سُنا تو کانپ اٹھا اور کہنے لگا بے شک وہ حضور جس پر کلی اطمینان ہو وہ آپ ہی کے پاس ہے اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

صالح محمد جعفر

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیرت و کردار کی ایک جھلک

رمضان المبارک کے مہینہ میں مختلف واقعات رونما ہوئے انہی واقعات میں سے ایک واقعہ اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کی شہادت کا ہے۔

نام و نسب

آپ کا نام علی رضؓ، کنیت ابو الحسن و ابو تراب، لقب حیدر و مرتضیٰ اور امیر المومنین خطاب تھا۔ والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ آپ نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔

قبول اسلام

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ اپنی کتاب "حیاۃ الصحابہ" میں حضرت علی رضؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو ابن اسحٰق کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں کہ

حضرت علی رضؓ بن ابی طالب آپؐ کے پاس تشریف لائے آپؐ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نماز پڑھ کر ابھی فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ حضرت علی رضؓ نے پوچھا، یہ آپ کیا کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "یہ اللہ کا ایسا دین ہے جس کو اللہ نے اپنے لیے منتخب کیا۔ اور اسی کی تبلیغ کے لیے اپنے پیغمبر بھیجے۔ لہٰذا میں تم کو بھی ایسے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ اور یہ کہ لات و عزیٰ کو بالکل چھوڑ دو۔" حضرت علی رضؓ نے کہا کہ یہ ایسی بات ہے کہ آج سے قبل میں نے کبھی نہیں سنی میں اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اپنے والد ابو طالب سے بیان نہ کر لوں۔ آپ کو حضرت علیؓ کا یہ فرمانا ناگوار ہوا کہ آپؐ کے اعلان سے پہلے راز فاش ہو جائے۔ فرمایا "اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو ابھی پوشیدہ رکھنا۔ گو حضرت علی رضؓ اس رات ایمان نہیں لائے۔ مگر اللہ نے ان کے دل میں ایمان راسخ کر دیا تھا۔ اگلے روز صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر کیا بات پیش کی تھی آپؐ نے فرمایا گواہی دو کہ اللہ صرف ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور لات و عزیٰ کا انکار کر دو اور جن کو خدا کا شریک بتایا جاتا ہے ان سے بالکل اظہار بیزاری کرو۔ حضرت علی رضؓ نے یہ سب قبول کیا۔ اور اسلام لے آئے۔ اور ابو طالب کے ڈر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا ظاہر نہ ہونے دیا۔ قبیلہ بنو ہاشم میں سب سے پہلے آپ اسلام لائے۔ اس وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔

علمی کمال و تبلیغی خدمات

آپ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی تھی اور سرور کائنات کے ہی سایۂ عاطفت میں رہے تھے اس لیے آپ کی زندگی بت پرستی سے پاک تھی اور اخلاقی تمام صفات آپ کی ذات میں پائی جاتی تھیں۔ اسلام کے علوم و معارف کے اصل سرچشمہ قرآن سے آپ پوری طرح سیراب اور ان صحابہ کرام رضؓ میں سے تھے جنہوں نے حضورؐ کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا قرآن کریم کی ایک ایک آیت کے معنے اور شان نزول سے آپ پوری طرح واقف تھے۔ حضورؐ کی تیس سالہ خدمت اور رفاقت کی وجہ سے احکام و فرائض اور ارشادات نبوی کے حضرت ابو بکر رضؓ کے بعد سب سے بڑے عالم تھے استنباط مسائل کے سلسلے میں آپ کو فطری ملکہ حاصل تھا۔ فقہی مسائل حل کرنے پر آپ کو گہری دسترس حاصل تھی۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضؓ آپ سے استفسارات کرتے۔ خصوصاً وراثت میں عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے آپ کو ماہر تسلیم کیا ہے۔ ابتدا سے آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس لیے حضورؐ کی طرف سے خطوط اور عہد نامے بھی عام طور پر آپ ہی لکھا کرتے۔ آپ کو کاتب وحی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ سے پانچ سو چھیاسی احادیث صحابہ کرام رضؓ نے روایت فرمائی ہیں۔ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی

نے جو وفد روانہ کیے۔ اُن میں سے یمن کی مہم پر آپ نے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا خود اپنے دستِ مبارک سے عمامہ باندھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی چند روزہ تعلیم و تلقین نے یمن کے لوگوں کو اسلام کا شیدائی بنا دیا اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا

غزواتِ اسلامیہ میں شرکت

آپ اپنے زمانہ کے بہادر ترین انسان تھے۔ بلکہ شجاعت آپ کی سب سے نمایاں خوبی تھی۔ سخت سے سخت معرکوں میں بھی آپ ثابت قدم رہے۔ بڑے بڑے جنگجو آپؓ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ آپ کی تلوار کی کاٹ ضرب المثل تھی۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ آپ نے سب غزوات میں شرکت فرمائی۔ جنگِ بدر کی مبارزت میں آپ نے سالارِ قریش عتبہ کے دو بیٹوں ولید اور شیبہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ جنگِ احد میں دشمن کی صفیں درہم برہم کر دیں اور جاں نثاریٔ رسول کے جوہر دکھائے۔ جنگِ احزاب میں عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود کو ایک ہی وار میں ہلاک کر دیا۔ ۷ھ میں یہودیوں کے بڑے حصار خیبر کو آپ نے ہی فتح کیا اور فتحِ مکہ کے موقعہ پر علمِ اسلام آپ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

صحابہ کرامؓ سے رشتۂ یگانگت

خلفاءِ ثلاثہ کے دور میں آپ اُن کے مشیر رہے ہر کام آپؓ کی رائے سے انجام پاتا تھا۔ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں آپ سے مشورہ لیے بغیر قدم نہ اٹھاتے تھے۔ آپ نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر اور عمر فاروق رکھ کر اُن سے محبت و الفت کا ثبوت دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے مسلمانوں کو افتراق و انتشار اور تشتت اختلاف سے بچا لیا۔ آپ نے حضرت عمر فاروق کی ذات کو مسلمانوں کے لیے ماویٰ و ملجا، اُن کے مذہب کو دین اللہ اور ان کے لشکر کو جند اللہ سے تعبیر فرما کر اتحادِ ملی کو برقرار رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت آپ نے اپنے دو صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو دروازے پر حفاظت کے لیے کھڑا کر کے حضرت عثمانؓ کی تائید و حمایت فرمائی۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس جاتے ہوئے آپ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے۔ اتحاد و یگانگت اور باہمی الفت و محبت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ کر دیا۔

بلند اوصاف

آپ کی زندگی تواضع اور سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے گھر میں صرف ایک چادر تھی۔ کاشانۂ خلافت پر کوئی دربان نہ تھا۔ آپ کی زندگی عبادت و ریاضت میں گزری۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ آپؓ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ امانت و دیانت میں اپنی مثال آپ تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا۔ خود فاقہ سے سونا اور سائلوں کو ناکام واپس نہ لوٹانا آپ کا عام معمول تھا۔ لاکھوں روپے کی آمدنی کے باوجود تنگی سے گذارہ کرتے۔ شرافت کا یہ عالم کہ امیر معاویہؓ سے قتال کرنے سے جب فراغت پائی تو مجمع عام میں دیانت داری سے یہ بیان دیا کہ میرے اور امیر معاویہؓ کے درمیان مذہبی اور ایمانی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آپ کی ذات خلقِ محمدی کا پیکر۔ سیرتِ نبوی کی چلتی پھرتی تفسیر اور تعلیماتِ اسلامی کی متحرک تصویر تھی۔

ملکی نظم و نسق اور اصلاحی کارنامے

آپ کا عہدِ خلافت سارے کا سارا خانہ جنگیوں میں گزرا۔ اس لیے آپ کو نظامِ حکومت کی اصلاح کے لیے بہت کم وقت ملا۔ پھر بھی آپ سے جہاں تک ممکن ہو سکا اسے بہتر بنانے کی پوری کوشش کی

۱۔ عمال کی نگرانی

آپ انتظامِ ملک کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے۔ صوبوں کے والیوں کی نگرانی اور ان کے اعمال کا جائزہ لیتے رہتے۔ جہاں غلطی نظر آتی اس کا تدارک کرتے۔ صوبوں کے گورنروں اور عہدیداروں کو اصلاحِ نفس کی تلقین کرتے رہتے۔

۲۔ عدل و مساوات

آپ کے ایوانِ عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت خویش و بیگانہ امیر و غریب سب یکساں تھے۔ قضاۃ کو حق و انصاف کا فیصلہ دینے کے مکمل اختیارات حاصل تھے۔ چاہے مدمقابل خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ قاضی شریح کی عدالت میں خود آپ کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے۔ لیکن قاضی شریح سے کوئی باز پرس نہیں بلکہ اس فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کیا۔ انصاف کے معاملہ میں کبھی قرابت کا خیال نہ کرتے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بڑی رقم لے لی۔ حضرت علیؓ نے سختی سے محاسبہ فرمایا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے جواب میں لکھا کہ میں نے ابھی پورا حق وصول نہیں کیا۔ پھر بھی خوف کے باعث بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

۳۔ صیغہ مال آپ نے صیغہ مال میں بھی بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا۔ آپ کے دورِ خلافت سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ نے انہیں قابل محصول قرار دیا۔ چنانچہ اکیلے صحرائے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہونے لگی۔ اس کے علاوہ اور بھی جنگل تھے۔ عہد رسالت میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے۔ عہد فاروقی میں جب ان کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو عمرؓ فاروق نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لگادی۔ لیکن حضرت علیؓ نے اسے موقوف کر دیا۔ دیگر اقسام محاصل کی وصولی پر بھی آپ کڑی نگاہ رکھتے تھے۔

۴۔ فوجی انتظامات آپؓ کی فوج کے معاملات اور جنگی امور میں بصیرت مسلم تھی۔ ایران میں شورشوں کے باعث بیت المال اور عورتوں و بچوں کی حفاظت کے لیے مستحکم قلعے تعمیر کروائے۔ سرحد شام پر متعدد نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ پولیس کے شعبہ کو از سر نو منظم کر کے اس کا نام شرطہ رکھا۔ پولیس کے افسر کو صاحب شرطہ کہا جاتا۔ فوجی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر آپؓ نے دریائے فرات پر ایک پل بنوایا۔

۵۔ ذمیوں کے حقوق تمام افسروں کو تاکید فرماتے کہ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے اور ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ اہل عجم کے ساتھ آپ کا لطف و برتاؤ اس قدر تھا کہ وہ عام طور پر یہ کہا کرتے۔

"اس عربی خلیفہ نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی ہے"

۶۔ بازار کی نگرانی آپ درہ لے کر بازار کو نکل جاتے بازار کی نگرانی نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال کرتے۔ تاجروں کو ناپ تول میں ایمانداری اور حسن معاملات کی تلقین فرماتے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جاتی۔

۷۔ جیل خانے عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں ایک مکان خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے گئے۔ حضرت علیؓ نے مزید جیل خانے قائم کیے۔ صاحب حیثیت قیدی اپنا کھانا گھر والوں سے منگوا سکتے تھے۔ دوسرے قیدیوں کو بیت المال سے غذا پہنچائی جاتی تھی۔

۸۔ مذہبی خدمات: اگرچہ مسندِ خلافت پہ قدم رکھنے کے بعد آپؓ کو خانہ جنگیوں سے فرصت نہ ملی۔ پھر بھی مذہبی خدمات سے غافل نہ رہے ایران اور آرمینیہ میں بعض نو مسلم عیسائی مرتد ہوگئے تو آپ نے سختی سے ان کی سرکوبی کی اکثر تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ آپ نے فن نحو کی بنیاد رکھی۔ آپؓ کے ایک غلام ابو الاسود دوئلی نے نحو کے موٹے موٹے قواعد مرتب کیے۔ جن کی مدد سے عجمی لوگ قرآن مجید باسانی پڑھنے لگے۔ آپؓ نے اپنے علمی خزانہ سے ہزارہا مسلمانوں کو مالا مال کیا۔

شہادت

۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ ۲۶ جنوری ۶۶۱ء کی صبح آپ کوفہ کی مسجد کو جا رہے تھے کہ ایک زہر میں بجھی ہوئی تلوار دماغ تک گھس گئی۔ یہ وار ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کیا۔ تاریخ و سیر کی کتب میں یہ بات عام ملتی ہے کہ تین آدمیوں نے بیت اللہ میں حلف اٹھایا کہ ملت اسلامیہ کو ایک ہی دن میں تین فتنہ پرور افراد یعنی حضرت علیؓ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ سے نجات دلائیں گے۔ ابن ملجم ان حلف اٹھانے والے تین افراد میں سے ایک تھا۔ اس کا خسر قنجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کی فوجوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ تو حملہ سے بچ گئے، لیکن آپ کو زخم کاری لگا۔ اس زخم کی وجہ سے ۲۱ رمضان المبارک ہی کو جمعہ کی شب فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

لبنانی مورخ کی نظر میں

ہسٹری آف دی عربس میں شہادت علی کرم اللہ وجہہ کے واقعات لکھنے کے بعد پروفیسر فلپ حتی لکھتا ہے کہ

"حضرت علیؓ کوفے کے قریب آبادی سے الگ مقام میں دفن ہوئے۔ یہ اب نجف میں "مشہد علیؓ" کہلاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا زندگی میں اتنا اثر نہ تھا۔ جتنا مرنے کے بعد وہ صاحب اثر ثابت ہوگئے زندگی بھر جتنا انھوں نے کھو دیا تھا۔ شہید تسلیم کیے جانے کے بعد سب دوبارہ پا لیا اگرچہ وہ اوصاف جن سے ایک قائد اور سیاستدان بنتا ہے۔ یعنی دور بینی، باخبری، موقع شناسی ان کی حضرت علیؓ میں کمی تھی تاہم ایک بہترین عربی فرد کی صفات رکھتے تھے، رزم کے مرد میدان، بزم مشاورت میں عقل مند مشیر، تقریر میں فصیح اللسان۔ دوستی میں وفادار، دشمنی میں فراخ دل، غرض مسلم شرافت و مردانگی کا سب سے مثل نمونہ تھے۔ اس کے ساتھ عربی روایات کے سلطان ہیں جن کے نام کے ساتھ ہمیشہ

(باقی صفحہ ۸ پر)

میاں محی الدین احمد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
آف پاکستان

حقوقِ نسواں کمیٹی کی چند سفارشات پر تبصرہ

مرکزی حکومت کی طرف سے قائم کردہ "حقوق نسواں کمیٹی" کی رپورٹ ابھی حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ اس رپورٹ میں اسلامی احکامات کا جس طرح مذاق اڑایا گیا ہے اور قرآن و سُنّت کے علی الرغم جس طرح اندھا دھند سفارشات کی گئی ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ آپ کو اس مضمون سے ہوگا جو میاں محی الدّین صاحب نے سپردِ قلم کیا ہے۔ ہم موصوف کے شکریہ کے ساتھ اسے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں ——— (ادارہ)

تجربہ سے یہ بات ناقابلِ تردید حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ مُسلم خاندانی قوانین کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے نفاذ کے بعد ہمارے معاشرہ کا ایک وافر حصہ ازدواجی سکون سے محروم ہو گیا ہے اور عقل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ یہ قانون بہت عرصہ پیشتر ہی منسوخ کر دیا جاتا یا اس میں مناسب ترامیم کی جاتیں۔ مگر افسوس ہے کہ سالِ رواں کے آغاز میں حکومت نے خاندانی مسائل کا جائزہ لینے کے لیے جو حقوق نسواں کمیٹی تشکیل دی اس نے بعض اہم ترین معاملات میں جلتی آگ پر تیل کا سا کام کیا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ اور سفارشات کے پہلے حصّہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ ممبرانِ کمیٹی نے مردوں کے فلاح و بہبود کے عنصر کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر دماغی کاوشیں صرف عورتوں ہی پر مرکوز کر دی ہیں۔ اور مردوں کو عورتوں کے ہاتھوں ایک استحصالی آلۂ کار سے زیادہ حیثیت نہیں دی ہے۔ ممبران کے خیال میں لفظ فیملی یعنی خاندان کی تعریف میں شاید بیوی بچوں کا وجود ہی آتا ہے۔ خاوند کا نہیں۔ مذکورہ کمیٹی کا جو انتخاب ہوا ہے اس کے تحت ہم اس سے غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تجویز کی توقع رکھ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اس کے چودہ ممبران میں سے نو ممبران مستُورات ہیں اور کمیٹی کی مشیر بھی ایک عورت ہی ہے جبکہ بقایا پانچ مرد ممبران میں سے صدر اور تین ممبر حکومت کے ہمہ وقتی تنخواہ دار ملازم ہیں اور صرف ایک ممبر طبقۂ عوام میں سے ہیں جو کراچی کے ایک وکیل ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ اس کمیٹی میں زندگی کے ہر شعبہ کے نمائندوں کو شامل کیا جاتا اور مسائل زیرِ غور کی نوعیت کے مدِّ نظر علمائے دین میں سے بھی لازمی کچھ حضرات کو شمولیت کی دعوت دی جاتی۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ رپورٹ سے یہ بھی ظاہر نہیں ہے کہ کتنے ممبران نے اس سے اتفاق کیا اور کتنے ممبر اس سے متفق نہیں تھے۔

میری ناچیز رائے میں ممبران کمیٹی نے اس اعتماد کا غلط اور ناجائز فائدہ اٹھایا ہے جو ان کی تقرری کے وقت حکومت نے ان پر کیا۔ کیونکہ رپورٹ پیش کرتے وقت اکثر و بیشتر مقامات پر انھوں نے سراسر جذباتیت اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ہے اور مردوں کے خلاف متعصّبانہ خیالات ان کی سفارشات سے جا بجا مترشح ہیں۔ یہ چیز صریحًا اعتماد کے غلط استعمال کے مترادف ہے۔ مانا کہ یہ رپورٹ عوام کی تنقید اور تبصرہ کے لیے شائع کر دی گئی ہے لیکن بنیادی طور پر ممبران کا یہ فرض تھا کہ وہ خود بھی دُور اندیشی اور سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے عوام کے سامنے ایک دلآزار رپورٹ پیش نہ کرتے اور اسلامی معاشرہ کے مسلّمہ اصُولوں اور خدا اور اس کے رسُولؐ کے بنائے ہوئے قوانین کو اپنی ذاتی من گھڑت کسوٹی پر پرکھ کر توڑنے موڑنے سے اجتناب کرتے۔

اُمید ہے ہمارے قانُون ساز ادارے اس رپورٹ کی بنیاد پر کوئی مزید اقدام اٹھانے سے پیشتر انتہائی سنجیدگی اور غور و خوض سے کام لیتے ہوئے سماج کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں نہیں دھکیلیں گے۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ بیوی کو شادی کے پانچ سال بعد طلاق کی صورت میں خاوند کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد میں سے آٹھویں حصہ کا مالک قرار دیا جائے۔ فاضل ممبران نے یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ اگر بیوی کو اس کی نافرمانی۔ بدچلنی اور ناقابلِ برداشت معیوب حرکات کی وجہ سے طلاق دیئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے تو کیا ایسی طلاق کی صورت میں بھی وہ خاوند کی جائداد میں کسی حصہ کی حقدار رہ سکتی ہے۔ نیز یہ کہ اس سفارش سے اسلام نے مہر کی جو شرط لگائی ہے اس کا مقصد بالکل فوت ہو جاتا ہے۔ اسلامی قانون کی رُو سے بیوی اپنے خاوند سے صرف مہر کی رقم کی لین دار ہے۔ خاوند کی فوتیدگی کی صورت میں البتّہ اس کا ورثہ میں جو حصہ ہے وہ پہلے ہی مقرر ہے۔ جو آٹھواں حصہ ہے۔ کمیٹی کے ممبران چاہتے ہیں کہ بیوی اپنے سابقہ خاوند کی زندگی ہی میں اس کی ساری جائداد کا آٹھواں حصہ اینٹھ لے علاوہ اس رقم کے جس کی مہر کی صورت میں وہ حقدار ہے۔ قرآن پاک یا کسی حدیث معتبر کے مطابق عورت کا طلاق کے بعد مرد کے ساتھ کسی قسم کے رابطے یا تعلق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی اس پر کوئی حق باقی رہتا ہے۔ ممبران کمیٹی نے عورت کی بہتری کا بہانہ تراش کر نعوذ باللہ اسلامی قانون کا مذاق اُڑایا ہے اور کُھلم کُھلا اسے تضحیک کا نشانہ بنایا ہے کاش کہ فاضل ممبران اپنی وسیع النظری کا ثبوت اس بات سے دیتے کہ اگر بیوی خود خاوند سے طلاق یعنی خُلع حاصل کر لے تو خاوند بھی بیوی کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے چوتھے یا پانچویں حصہ کا مالک قرار دیا جائے۔ ممبران نے ایسا کرنے سے دیدہ و دانستہ گریز کیا ہے کیونکہ اُن میں اکثریت خود عورتوں کی ہے۔ یہاں پہ خود کوزہ خود کوزہ گرو خود گلِ کوزہ کی مثال صادق آتی ہے۔ اسلامی قوانین کے بنیادی ڈھانچہ کے دائرہ میں رہ کر قواعد تو مرتب کیے جا سکتے ہیں، لیکن قوانین کو بذاتِ خود سرے سے ہی بدل دینا اور انھیں بدلتے ہوئے حالات کے جواز کی آڑ لے کر مسخ کر دینا سخت غیر اسلامی۔ غیر شرعی اور قبیح اقدام ہے۔

کمیٹی نے ایک سفارش یہ بھی کی ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ، بھائیوں، بہنوں اور بچوں سے ملنے سے روکے تو اسے تین ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزاؤں سے نوازا جائے۔ سُبحان اللہ کیا سفارش ہے! کیوں جی اگر صورت اس کے برعکس ہو یعنی اگر بیوی اپنے خاوند کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے سے روکے تو پھر بیوی کو کیا سزا دی جائے؟ اس بارے میں کمیٹی نے خاموشی کا لبادہ کیوں اوڑھ لیا۔ حالانکہ معاملہ اُلٹ ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہمارے گھرانوں میں عام طور سے بیویاں ہی اپنے خاوندوں کو ان کے رشتہ داروں سے منقطع کرنے کی تگ و دو اور ریشہ دوانیوں میں لگی رہتی ہیں اور ان کی حتی الامکان یہی کوشش ہوتی ہے کہ خاوند اپنے والدین تک کو خیرباد کہہ کر اپنی تمام زندگی صرف بیوی کی آؤ بھگت۔ حاشیہ برداری۔ پرورش۔ دیکھ بھال اور چونچلوں کی بھینٹ چڑھا دے۔

کمیٹی کی یہ تجویز کہ طلاق کے بعد بھی خاوند اپنی مطلقہ بیوی کو ایک معیّنہ مدّت تک نان و نفقہ فراہم کرنے کا پابند رہے سراسر خلافِ شرع، خلاف تہذیب اور خلاف قاعدہ ہے۔

ان باتوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ بیوی نہ ہوئی اچھی خاصی راہزن اور ڈاکو ہو گئی اور اگر کوئی شخص شادی کرنا چاہے تو شادی سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لے کہ جو عورت اس کے گھر میں بیوی بن کر آنے والی ہے وہ اس کی یقینی ہونے والی بیوی کی تمام بدعنوانیوں کے باوجود بھی اس کے ہاتھوں اپنی جائداد کے ایک معتد بہ حصہ پر ڈاکہ ڈلوانے اور جیل کی ہوا کھانے کے لیے تیار رہے۔ نتائج ظاہر ہیں۔ ایسی صورت میں لوگ شادی سے پرہیز کریں گے اور جنسی آسودگی کی خاطر مختلف ٹھکانے تلاش کریں گے۔ عیاشی زور پکڑ جائے گی۔ سماج میں جنسی اور دیگر جرائم کی تعداد بڑھ جائے گی اور تمام معاشرہ غارت ہو کر رہ جائے گا۔

ممبران کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں عورت کے بیکسی بے چارگی اور غریب کے الفاظ بڑے واشگاف اور ہمدردانہ لہجہ میں استعمال کیے ہیں، مگر مرد کی بے چارگی اور غربت کا کسی کو خیال تک نہ آیا۔ چند شاذ و نادر مثالوں کو چھوڑ کر یہ قاعدہ کلّیہ ہے کہ کوئی خاوند بغیر کسی وجہ کے اپنی بیوی کو یوں ہی طلاق دے کر اپنا گھر اُجاڑ کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہیں مارتا۔ بلکہ بیوی کی بے راہ روی۔ باغیانہ حرکات اور بداطواری کے سبب وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ فاضل ممبران نے عورتوں کو کوئی ایسی مستحسن نصیحت فرمانے کی تکلیف نہیں کی کہ قانونِ فطرت اور خاص طور پر اسلام نے عورتوں کے لیے جو مقام متعین کیا ہے وہ اس سے تجاوز نہ کریں اور افراط و تفریط سے کام نہ لیں۔ اپنے شوہروں کی تابعدار اور فرمانبردار رہیں انہیں مجازی خدا سمجھیں۔ صحیح معنوں میں انہیں اپنا سرپرست، نگہبان، کفیل اور عملی طور پر جیون ساتھی تصور کریں۔ زبان درازی، گستاخی بے جا ہٹ دھرمی اور عدم تعاون نہ کریں۔ صرف خالی خولی آزادی اور مساوات کا ڈھونگ رچانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

خاندانی اور گھریلو زندگی کا نظم و ضبط۔ رکھ رکھاؤ حسن و نکھار اور خاوند بیوی کے باہمی ازدواجی اور ذاتی تعلقات کی خوشگواری یا ناخوشگواری کا تمام تر انحصار ان کے اپنے حسنِ سلوک یا بدسلوکی پر ہے ان تعلقات کو کسی

قانون کے ذریعہ ہرگز ہرگز استوار نہیں کیا جا سکتا۔ ضابطۂ اخلاق کسی قانون کا محتاج نہیں ہے اور نہ ہی کوئی قانون اسے مؤثر طریقہ پر نافذ کر سکتا ہے اگر کوئی حکومت یا طاقت ان تعلقات کے محرکات کو بزورِ قانون عملی شکل دینے کی کوشش کرتی ہے تو یہ ایک بے سود اور لایعنی عمل ہوگا گستاخی معاف۔ آج اگر عورت یہ قانون نافذ کرا لے کہ اس کے خاوند کو اسے یعنی بیوی کو رشتہ داروں سے ملنے سے باز رکھنے کی وجہ سے قید کر دیا جائے تو کل وہ ایسا قانون بنوانے کی کوشش بھی کر سکتی ہے کہ یا تو اس کا خاوند ایک مقررہ عرصے کے بعد لازماً اس کے ساتھ اختلاطِ جنسی سے پیش آئے ورنہ بصورتِ دیگر اسے جیل خانے کا راستہ دکھایا جائے یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ اس کے علاوہ عورت کی جا و بے جا خواہشات کی دیگر متعدد اشکال بھی ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ اس کا خاوند اسے ہر ہفتہ سینما دکھائے۔ سیر کرائے۔ ہوٹلوں اور کلبوں میں لے جائے۔ پردہ نہ کرائے۔ ملازمت سے نہ روکے۔ بچوں کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کے لیے نوکر کا انتظام کرے۔ ہانڈی روٹی کی تیاری کے لیے خانساماں مقرر کرے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ بقول اس کے ہماری اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا دستور اسے آزادی اور مساوات عطا کرتا ہے۔

مندرجہ بالا سفارشات پر عمل درآمد کی کوشش بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوگی اور معاشرہ میں بے چینی۔ افراتفری، فضول مقدمہ بازیاں اور نت نئے جرائم رونما ہوں گے جنہیں قابو میں رکھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ ہمیں حکومت یا مقننہ سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ افراد کے ذاتی یا اندرونی خاندانی معاملات میں دخل اندازی کرے اور اس مقصد کے لیے کوئی قانون نافذ کرے۔ ہمارے گھریلو خواتین کو خدانخواستہ کوئی ایسا تکلیف دہ مسئلہ درپیش نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ پریشان اور سراسیمہ ہوں اور آزادیٔ نسواں کے پردہ میں خاوندوں کے لیے دردِ سر بنیں۔ ہمارے معاشرہ کا ہر خاوند (جیسا کہ ہماری مشرقی تہذیب کا تقاضا ہے) اپنی بیوی کو حتی المقدور آرام و آسائش مہیا کرتا ہے بشرطیکہ بیوی ہی خود کالی بھیڑ نہ ثابت ہو اور اپنی فطرتِ بد سے مجبور ہو کر تمام سہولتیں میسر آنے کے باوجود شور و واویلا مچانے پر نہ تلی رہے۔ پنجابی زبان میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

وِچّوں وِچّوں کھائی جا ؛ اُتّوں رولا پائی جا

بقیہ: حضرت عائشہ رضؓ

نگیں لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔

واقعاتِ وفات

حضرت عائشہؓ کی ولادت ہجرت سے نو سال پہلے اور وفات ۵۸ھ میں متفق علیہ ہے اس اعتبار سے ان کی عمر وفات کے وقت تریسٹھ سال ہوگی چونکہ حضرت عائشہؓ خود پسندی سے بہت نفور تھیں اس لیے تعریف کرنے والوں سے ملنے میں انھیں تامل ہوتا تھا۔

مرضِ وفات میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی وہ جانتی تھیں کہ تعریف کریں گے اس لیے متامل ہوئیں۔ مگر بھانجوں نے اصرار کیا کہ آپ ام المومنین ہیں اور ابن عباس سلام کرنے اور آپ کو رخصت کرنے کے لیے آئے ہیں تو فرمایا اگر تم چاہو تو بلا لو حضرت ابن عباس بلائے گئے اور جیسا حضرت عائشہؓ کا خیال تھا۔ بیٹھتے ہی انھوں نے کہا آپ کو بشارت ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو ملنے میں اتنا ہی وقفہ ہے جتنا روح کے بدن سے جدا ہونے میں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں جس رات کو آپ کا ہار گر گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش کی اور لوگ کو منزل پر پانی نہ ملا تو آپ ہی کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی آپ کی برأت جبرئیل امین آسمان سے لے کر آئے جو قیامت تک ہر مسجد میں پڑھی جائے گی۔ فرمایا ابن عباس مجھے معاف رکھو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے پسند تھا کہ میں معدوم محض ہوتی۔

انتقال سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے بقیع میں دفن کرنا۔ جہاں اور ازواج دفن ہیں بیماری میں لوگ خیریت پوچھنے آتے تو فرماتیں الحمد للہ اچھی ہوں۔ آپ نے سہ شنبہ کی رات کو بتاریخ ۱۷ رمضان ۵۸ھ میں وفات پائی یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جس رات آپ نے وفات پائی۔ مشعلیں روشن کرلی گئیں تھیں اور عورتوں کی اس قدر کثرت تھی کہ عید کا دھوکا ہوتا تھا۔

اُن کے انتقال سے لوگوں کو بہت صدمہ تھا مسروق کہتے تھے اگر بعض معاملہ مانع نہ ہوتے تو میں ام المومنینؓ کے لیے ماتم برپا کرتا عبید بن عمیر نے ایک شخص سے پوچھا حضرت عائشہؓ کی وفات سے کس کس کو صدمہ ہوا اس نے جواب میں کہا جس کی ماں تھیں اسی کو اُن کا غم تھا۔ آپ نے وصیت کی رات ہی کو دفن کر دینا۔ چنانچہ اسی رات کو بعد نمازِ وتر بقیع میں دفن ہوئیں اس شب کو بقیع میں اس کثرت سے لوگوں کا ہجوم تھا کہ ایسا پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی عبداللہ بن زبیرؓ قاسمؓ بن محمد عبداللہ بن محمد نے قبر میں اتارا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عبدالحکیم ندیم جھنگ ، صدر

اسلامی عدل

سیّد الانصار حضرت ابی ابن کعبؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کبار میں شمار ہوتا ہے۔ آپ دنیائے اسلام کے ایک نامور قاضی و جج کی حیثیت سے اسلام کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عدالت کے منصب پر فائز تھے کہ عم رسُول سیدّنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت کے خلاف ایک مقدمہ کھڑا کر دیا۔ جھگڑے کا سبب ایک مکان تھا۔ جس کے پرنالے کو سیدّنا عمرِ فاروق نے اکھڑوا دیا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب مالک مکان سیدّنا عباس اپنے گھر میں تشریف نہیں رکھتے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے اس بنیاد پر حضرت ابی ابنِ کعبؓ کی عدالت میں دعویٰ پیش کر دیا کہ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروقؓ نے ان کے مکان کا پرنالہ ان سے پوچھے بغیر صرف اپنی مرضی سے ان کی عدم موجودگی میں اکھڑوا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قدم جو امیر المؤمنین عمرِ فاروقؓ نے اٹھایا ہے ان کے نقصان کا باعث بھی ہے اور تکلیف کا باعث بھی۔ لہذا حسبِ ضابطہ امیر المؤمنین کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔

سیدّ الانصار ابی ابنِ کعبؓ نے اس درخواست کو سامنے رکھتے ہوئے اس جلیل القدر صاحب جبروت شخصیت سیدّنا عمرِ فاروقؓ کے خلاف بلا تامل فوراً عدالتی فرمان جاری کر دیا جس کے نام سے اس زمانے کی تمام بڑی بڑی حکومتیں لرزہ بر اندام رہتی تھیں۔ صاحب عدالت نے اپنے فرمان میں جو الفاظ استعمال کیے ان کا مطلب یہ تھا کہ رسولِ خدا کے محترم چچا سیدّنا عباس بن عبدالمطلب نے آپ کے خلاف میری عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ وہ انصاف کے طالب ہیں۔ آپ عدالت میں حاضر ہو کر مقدمے کی پیروی کریں۔

سیدّنا عمرِ فاروقؓ نہایت سادگی سے عدالت میں حاضر ہوئے مگر ضابطے کی کارروائی کے سلسلے میں انہیں کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ سیدّ الانصار حضرت ابی ابنِ کعبؓ سرکاری کاغذات کے دیکھنے میں مصروف تھے۔ الغرض سیدّنا عمرِ فاروقؓ برابر اس وقت تک کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہے جب تک منصف عدالت (حضرت ابی ابنِ کعبؓ) نے اپنے کام سے فارغ ہو کر انہیں اندر نہیں بلایا۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو سب سے پہلے سیدّنا عمرِ فاروقؓ نے کچھ کہنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر فاضل عدالت نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ پہلا حق مدّعی کا ہے۔ چنانچہ سیدّنا عمرِ فاروقؓ خاموش ہو گئے اور مقدمے کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی۔ عم رسُولؐ سیدّنا عباسؓ نے فرمایا۔ جناب والا میرے مکان کا پرنالہ شروع ہی سے مسجدِ نبوی کی طرف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہیں پر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول کے زمانے میں بھی اسی جگہ رہا۔ لیکن اب امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروقؓ نے اسے اکھڑوا دیا ہے۔ اور یہ کام اس وقت کیا گیا کہ جب میں گھر پر موجود نہیں تھا۔ مجھے امیر المؤمنین کے اس طرزِ عمل سے نقصان بھی پہنچا ہے اور تکلیف بھی۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ مجھے انصاف دیا جائے۔ "حضرت ابی ابنِ کعب" بے شک آپ کا انصاف کیا جائے گا۔ فرمایئے: امیر المؤمنین آپ اس معاملے کی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔

امیر المؤمنین سیدّنا عمرِ فاروق: بے شک پرنالہ میں نے اکھڑوایا ہے۔ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

سیدّ الانصار ابی ابنِ کعب: مگر کیوں؟ آپ کو بغیر پوچھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپ وجہ بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

سیدّنا عمرِ فاروقؓ: اے محترم قاضی! پرنالے میں سے بعض اوقات پانی آتا تو چھینٹیں اڑ کر نمازیوں پر پڑتیں۔ اس لیے میں نے لوگوں کے آرام اور سہولت کے لیے پرنالہ کو وہاں سے اکھڑوا دیا ہے۔ اس معاملے میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں میں نے کوئی ناروا کام نہیں کیا۔

حضرت ابی ابنِ کعبؓ: اے ابوالفضل عباسؓ! فرمایئے آپ اس کے جواب میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟

سیدّنا عباسؓ: واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے لیے خود اپنی چھڑی مبارک سے زمین پر نشانات قائم کیے اور میں نے انہی نشانات پر اپنا مکان بنایا۔ جب مکان کی تعمیر مکمل ہو گئی تو یہ پرنالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے اس

جگہ رکھوایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا کہ میرے کندھوں پہ کھڑے ہو جائیں اور پرنالہ اس جگہ لگا دیں۔ میں نے پہلے تو تامل کیا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پہ چڑھ کر پرنالہ کو اس جگہ پر لگا دیا کہ جہاں سے اب امیر المومنین عمر فاروق نے اکھڑوا دیا ہے۔

حضرت ابی ابن کعبؓ : اے ابو الفضل عباسؓ! کیا آپ اس واقعے کا کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں۔

سیدنا عباس : ایک دو نہیں۔ بیسیوں گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔

حضرت ابی ابن کعبؓ : اچھا پھر لائیں اور ابھی لائیں۔ تاکہ اسی وقت فیصلہ کر دیا جائے۔

سیدنا عباسؓ عدالت سے باہر نکلے اور چند انصار کو تلاش کر کے اپنے ساتھ لائے۔ جنھوں نے عدالت میں پیش ہو کر گواہی دی کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہم اس وقت وہاں موجود تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو اپنے دوش مبارک پہ چڑھا کر پرنالہ لگوایا تھا۔

القصہ مختصر سید الانصار حضرت ابی ابن کعبؓ کی عدالت میں شہادت مکمل ہو گئی۔ اور سیدنا عمر فاروقؓ نے مارے ندامت کے نگاہیں نیچی کر لیں۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ رعب دار اور جلال و ہیبت کے مالک سیدنا عمر فاروقؓ نے سب کے سامنے اپنی بھول مان لی اور سیدنا عباسؓ بن عبد المطلب سے کہا۔ میری خطا معاف کر دیجیے۔ مجھے اس بات کا ہرگز علم نہ تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ پرنالہ اس جگہ لگوایا ہے ورنہ بھولا کر بھی ایسی غلطی مجھ سے نہ ہوتی۔ بھلا میری کیا مجال جو آنحضرت کے لگوائے ہوئے پرنالے کو اکھڑوا تا۔ جو کچھ ہوا وہ لاعلمی میں ہوا اسے بھول جائیے اور آئیے میرے کندھوں پہ چڑھ کر پرنالے کو پھر اسی جگہ لگا دیجیے۔ سیدنا عباسؓ بن عبد المطلب جب پرنالے کو لگا چکے تو فرمایا : اے عمرؓ! آپ کی انصاف پسندی کے سبب میرا حق مجھے مل چکا ہے۔ اب میں اپنی خوشی سے اپنے مکان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرتا ہوں اور آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ لے کر اگر مسجد نبوی کی توسیع کر لیں تاکہ جگہ کی کمی کے باعث نمازیوں کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ دور ہو جائے۔ اس واقعہ میں جہاں سیدنا عباسؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت کردار کے بارے میں ایک اندازہ ہوتا ہے وہاں سید الانصار ابی ابن کعبؓ کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ بطور منصف کے نہایت غیر جانبداری کے ساتھ اپنے فرائض کتنی جرأت و ہمت سے انجام دیتے تھے۔

بقیہ : شذرہ

گوجرانوالہ میں پیپلز پارٹی جیت گئی !

پچھلے دنوں ذوالفقار علی باجوہ انتقال کر گئے۔ ان کی نشست پر ضمنی انتخاب ہونا تھا، کاغذات نامزدگی آخری تاریخ ۲۹ ستمبر تھی۔ الیکشن آفیسر صاحب کے دفتر کے ارد گرد پولیس کا ایسا پہرہ تھا کہ بقول کسے مکھی کا گزر بھی آسان نہ تھا۔

پھر جن لوگوں نے کاغذات نامزدگی کے لیے فارم لیے ان کے گھروں پر جا کر انتظامیہ نے جس طرح تواضع کی وہ مستقل داستان ہے۔ ایسے میں پی پی پی کا نمائندہ بلا مقابلہ منتخب ہو گیا۔

شاید حکومتی دانشور اس کو ملک کی خدمت سمجھیں لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اس سے نقصان ہے کہ گھٹن بہت ہے طائران وطن پھڑ پھڑانے لگے تو نہ صرف یہ کہ پنجروں کی تاریں ٹوٹیں گی بلکہ صیاد بھی نذر ہو جائے گا اس لیے ہم کسی کے لیے نہیں تو صیاد کی اپنی بہتری کے لیے بہتری کی درخواست کریں گے۔

حاصل مطالعہ — قاضی ضیاء اللہ میانوی خطیب جامعہ شبیریہ - میانی ضلع سرگودھا

اسلامی کردار ــــــ چند جھلکیاں

قانون

تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے پھانسی سے پہلے ایک بلوچ نوجوان کی تلاشی لی گئی اس نے جیلر کو ایک ڈبیا دی جس میں ایک میڈل تھا اور آہستہ سے کہا "اگر ہو سکے تو اسے واپس کر دیں" کیا مطلب؟ جیلر نے پوچھا اب حوالدار عبدالعزیز کو اس کی فرصت نہیں، جس چھاتی کی یہ زینت تھا اب وہ تھوڑی دیر بعد منوں مٹی کے نیچے ہوگا۔ لیکن ...... لیکن کیا؟ قیدی نے بات کاٹ کر کہا سوڈان کے مورچے پر جب میں نے ہزاروں بے گناہوں کا خون کیا جن سے مجھے کوئی دشمنی نہ تھی، تو سرکار دولت مدار نے میرے سینے پر یہ تمغہ سجا دیا۔

اور جب میں گھر آیا اور یہ دیکھا کہ میری کنواری بہن کی عصمت لٹ چکی ہے اور میرا دوست جس کے حوالے گھر بار کر گیا تھا اسی نے مجھے لوٹ لیا ہے تو میں نے اسے سرزنش کی اس نے مجھے دھتکار دیا اور جب مجھے اپنی بہن کی لاش کنویں سے ملی اور میں نے گنہگار کو سزا کے لیے خدا کے حضور میں پیش کر دیا تو قانون نے مجھے یہ سزا دی اور یہ میڈل میری کوئی حمایت نہ کر سکا۔ پھر کچھ دیر سوچ کر بولا۔ شاید اللہ کو میری گواہی کی ضرورت ہو۔ بلند آواز میں کہا اللہ اکبر اور پھانسی کے لیے تختہ کی طرف چل دیا۔

حق کی پاسبانی

مراکش کا فقیہہ عالم ابو یعقوب تلاش معاش میں دمشق پہنچا اور شاہی باغ میں بطور پاسبان ملازم ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ باغ میں داخل ہوا اور ابو یعقوب کو حکم دیا کہ نہایت میٹھے انار لاکر پیش کرو" ابو یعقوب نے حکم کی تعمیل کی اور انار لاکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیے، لیکن جب بادشاہ نے انہیں چکھا تو سارے انار ترش نکلے۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا اور گرجتے ہوئے ابو یعقوب سے پوچھا تم اس باغ کی پاسبانی پر کتنے عرصہ سے متعین ہو؟ ابو یعقوب نے جواب دیا "جناب پانچ سال سے" بادشاہ نے تلخ لہجہ میں کہا اور تمہیں اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہاں کے کس درخت کا پھل ترش ہے اور کس کا پھل شیریں ہے؟ فقیر منش ابو یعقوب نے جواب دیا۔ جناب والا مجھے باغ کی پاسبانی پر مقرر فرمایا تھا۔ پھلوں کے چکھنے پر نہیں۔ بادشاہ نے اس کے جواب اور دیانتداری سے خوش ہو کر ابو یعقوب کو اپنا ندیم بنا لیا۔

عوام کا خادم

حضرت عمر فاروق رضؓ تنہا کہیں چلے جا رہے تھے۔ کسی غیر ملکی کو جب ان کی حیثیت کا علم ہوا تو وہ بھاگ کر قریب پہنچا۔ اور آپ رضؓ سے سوال کیا کہ کیا آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ امیر نہیں محافظ کہو۔ میں اُن کا محافظ ہوں غیر ملکی نے کہا آپ دیگر سربراہوں کی طرح اپنے ساتھ حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے؟ حضرت عمر رضؓ نے جواب دیا کہ میں عوام کا محافظ ہوں لہٰذا عوام کا یہ کام نہیں کہ میری حفاظت کریں بلکہ میرا کام ہے کہ میں شہر شہر قریہ بہ قریہ ہر ہر گھر میں جا کر خبر گیری اور حفاظت کروں اور خدمت کروں کہ سید القوم خادمھم۔

ہارون الرشید

برمکی خاندان تباہ کیا جا چکا تھا، لیکن ان کے مداح اب بھی موجود تھے ہارون الرشید دربار میں بیٹھا تھا کہ کسی نے اطلاع دی کہ خراسان سے دو سو اونٹ سونے اور چاندی سے لدے ہوئے شاہی محل تک آ چکے ہیں۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا جب تک ہماری مملکت کا انتظام برمکیوں کے ہاتھ میں تھا تو باہر کے صوبوں سے ایک پیسہ تک

... تھا۔ لیکن اب چاروں طرف سے خزانے کے منہ پر پٹ رہے ہیں۔ دربار میں ایک پیر کیمو کا مزاج بھی موجود تھا جو بڑی اللہ کا طرز برداشت نہ کر سکا کیونکہ ضمیر فروشی نہ تھا کھڑا ہو کر کہنے لگا "اس لیے کہ پیرکیموں کے دورِ حکمرانی میں پیسہ جائز مالکوں کے پاس رہتا تھا"

اعلانِ داخلہ

جامعہ حنفیہ سراج العلوم نزد لاہور ہوٹل لاہور کا داخلہ ۱۵ شوال سے شروع ہو گا۔ موقوف علیہ تک تمام کتابیں تین اساتذہ بڑی محنت سے پڑھاتے ہیں اور ایک قاری صاحب شعبہ حفظ ہیں!

شائقین طلبہ جلد داخلہ لیں۔

حافظ مرتضیٰ احسن مہتمم مدرسہ ہذا

اعلانِ داخلہ

ساہیوال کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ رشیدیہ کا جدید داخلہ ۲۰ شوال تک جاری رہے گا۔ دورہ حدیث شریف سمیت تمام درجات کے لیے انتہائی قابل اور مخلص اساتذہ موجود ہیں بلکہ دورۂ حدیث شریف کے لیے امسال دو نئے اساتذہ کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اس لیے خواہشمند طلبہ جلد رجوع کریں۔

علاوہ ازیں

جامعہ کے ترجمان ماہنامہ الرشید کے عظیم و ضخیم "دار العلوم دیوبند نمبر" کے کچھ پرچے باقی ہیں اعلیٰ کاغذ -/۲۳ روپے نیوز -/۱۵ روپے نمبر خریدیں اور مستقل خریدار بنیں۔

مراسلات کا پتہ

ناظم جامعہ رشیدیہ، غلہ منڈی ساہیوال

دعاءِ مغفرت

انجمن کی مرکزی کمیٹی کے رکن حاجی نور احمد اعظم کلاتھ مارکیٹ کی والدہ ماجدہ۔ میرے خالہ زاد بھائی عبد الحکیم آف راولپنڈی اور انجمن کے مخلص خادم مرتضیٰ بٹ صاحب گوجرانوالہ کے عزیز دوست ملک محمد رفیع کی والدہ انتقال کر گئیں۔ دعا کی درخواست ہے۔ (حاجی بشیر احمد)

اعلانِ داخلہ

تجوید و قرأت و علوم دینیہ کی مثالی درسگاہ دار العلوم دینیہ انجمن حمایت اسلام ۱۱۹ ملتان روڈ لاہور

تجوید و قرأت کی کلاسوں میں داخلہ ۷ شوال ۱۳۹۶ھ بمطابق ۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء سے شروع ہو چکا ہے۔

طلباء کے لیے عمدہ خورد و نوش و صاف ستھری رہائش اور علاج معالجہ کی سہولت کے علاوہ ہر طالب علم کو -/۳۰ روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

شعبہ حفظ و ناظرہ قرآن مقامی بچوں کے لیے اسی سال جاری کیا گیا ہے۔ اسکول کے طلبہ بھی فارغ اوقات میں استفادہ کر سکتے ہیں۔

امیدوار فارم اور پراسپیکٹس دفتر دار العلوم دینیہ ۱۱۹ ملتان روڈ لاہور سے حاصل کریں۔

منجانب: قاری احمد میاں تھانوی۔ صدر قاری دار العلوم دینیہ ۱۱۹ ملتان روڈ لاہور۔

اعلانِ داخلہ

تجوید و قرأت و علوم دینیہ کی ایک مثالی درسگاہ قاریہ کلاس انجمن حمایت اسلام لاہور میں داخلہ ۷ شوال ۱۳۹۶ھ بمطابق ۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء سے شروع ہو رہا ہے۔ میٹرک پاس اور روانی کے ساتھ قرآن حکیم پڑھنے والی طالبات کو داخل کیا جائے گا۔

دیندار اور ماہر و تجربہ کار معلمات کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

قاریہ کلاس میں طالبات کو تجوید و قرأت کے ساتھ ساتھ تفسیر قرآن، حدیث نبوی، تاریخ اسلام اور فقہ اسلام وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ طالبات کے لیے باپردہ قیام و عمدہ طعام اور علاج معالجہ کی سہولت کے علاوہ مبلغ -/۳۰ روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ داخلہ محدود ہے۔

فارم داخلہ اور پراسپیکٹس دفتر دار العلوم دینیہ شعبہ خواتین زنانہ دار الشفقت راج گڑھ روڈ سے حاصل کریں۔

منجانب: راجہ سید اکبر خان آنریری سیکرٹری دار العلوم دینیہ انجمن حمایت اسلام لاہور

دینی مدارس کو قومیانے کا مسئلہ

ڈیڑھ دو سال پیشتر علماء کرام کے کانوں بھنک پڑی کہ دینی مدارس کو قومی تحویل میں لیا جانے والا ہے تو انھوں نے حکومت کے اس متوقع اقدام کے خلاف زبردست آہ و واویلا کیا۔ اس پر ارباب اقتدار کی طرف سے معصومانہ لہجہ میں اعلان کیا گیا کہ حکومت دینی مدارس کو کبھی بھی قومی تحویل میں لینے کا ارادہ نہیں رکھتی یہ سارا پراپیگنڈہ بے بنیاد اور اپوزیشن کی بدنیتی پر مبنی ہے بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن چند ماہ اُدھر محکمہ اوقاف نے سابقہ اعلانات اور مواعید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چپکے سے علماء کرام کے گہوارہ گوجرانوالہ کی مسجد نور اور اس سے ملحقہ ایک اہم دینی مدرسہ نصرت العلوم کو اپنی تحویل میں لے لیا جس کے خلاف قرار دادوں، جلسوں ہنگاموں مظاہروں گرفتاریوں غم و غصہ کے اظہار اور بیان بازیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو بیک وقت المناک اور لامتناہی ہے۔ احتجاج اور مذمت کرنے والوں میں غریب مزدور، کسان، محنت کش طلباء، وکلاء، علماء، ادیب، دانشور، سیاسی، سماجی اور تمام مکاتیب فکر کے مذہبی حلقے شامل ہیں۔

متعدد وجوہات کی بناء پر عوامی اذہان دینی مدارس کو قومیانے کی حمایت کرنے سے قاصر ہیں۔ وطن عزیز کی اقتصادی حالت انتہائی ابتر ہے۔ آئے دن خسارہ کی سرمایہ کاری کرنی پڑتی ہے۔ ہر تین چار ماہ بعد اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں کمر توڑ اضافہ کرنا پڑتا ہے کہ ملکی معیشت دیوالیہ پن کے تحت الثریٰ میں گر چکی ہوئی ہے ان حالات میں جبکہ حکومت پہلے سے درپیش مسائل کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں الجھی ہوتی ہے۔ اس کی ذمہ داریوں میں نیا اضافہ قطعی غیر ضروری انتہائی فضول اور آ بیل مجھے مار کی ذیل میں ہی شمار ہوگا۔ عام سکولوں اور کالجوں کو قومیانے کا تلخ تجربہ بھاری پتھر ثابت ہوا ہے۔ ان اداروں کے اساتذہ تنخواہوں، ترقیوں، گریڈوں اور سہولتوں کے چکروں میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ دینی تعلیم سے شغف کا عالم یہ ہے کہ قراء حضرات کو چھٹی دیدی گئی ہے یا انہیں انتہائی قلیل تنخواہ دی جاتی ہے۔ عمارتوں کے مالکان کرایہ کو ترستے ہیں۔ سکولوں میں پنکھوں پانی کا تو ذکر ہی کیا ٹاٹ تک بھی نہیں ہوتے بچے بیٹھنے کے لیے بوریاں گھر سے لے جاتے اور پانی پینے کے واسطے ہمسایوں کے گھر میں ذلیل ہوتے پھرتے ہیں۔ پرائیویٹ اور سرکاری اداروں میں مقابلہ کا رجحان ختم ہونے سے معیار تعلیم بھی گر گیا ہے۔ چنانچہ متعلقہ حکام نے اپنے اس اقدام کی ناکامی کو تسلیم کرتے ہوئے پرائمری کی حد تک پرائیویٹ سکول کھولنے کی اجازت دے کر جزوی اصلاح کا دروازہ کھول دیا ہے۔

ارباب اقتدار کی اسلام اور دینی شعائر سے وابستگی و وفاداری محل نظر ہے اکثر سرکاری درباری اصحاب سوشلزم کے علی الاعلان داعی ہیں آئین میں سوشلسٹ معیشت کو مکمل تحفظ دیا گیا ہے اور کوٹھے پر چڑھ کر چلانے کی بجائے بتدریج سوشلزم نافذ کیا جا رہا ہے۔ وزارت امور مذہبی کی شان کے بالکل برعکس اس کے بیت فارم سے یہ روح فرسا اعلان کیا جا رہا ہے کہ مستقبل کا نظام سوشلزم در جمہوریت ہوگا کوئی اور نظام نہیں ہوگا سوشلزم کی تنقید و ترویج کے مطالعہ کے لیے چین، روس، الجزائر اور دیگر سوشلسٹ ممالک کے دورے کیے جا رہے ہیں اور ان کو کردہ مثالیں پیش کرنا ایک معمول ہے۔ لیکن اسلامی نظام کے نفاذ کا جائزہ لینے کے لیے کبھی بھی سعودی عرب جانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی ملک میں خلاف اسلام شعائر و افکار کی ترقی حوصلہ افزائی، سود، شراب سٹہ، جوا، زنا، بے پردگی وغیرہ میں روز افزوں اضافہ اظہر من الشمس ہے پہلے سے قومی ملکیت میں لیے گئے صنعتی اداروں کا قیام اور کارکردگی مایوس کن ہے۔ بچت کے پیش نظر محکمہ اوقاف کے شعبۂ تبلیغ گول کیا جا چکا ہے جو حکومت آج تک عام تعلیمی اداروں میں منضبط، مربوط اور اسلامی پاکستان کی شان کے شایان اسلامیات کی تعلیم کا بندوبست نہیں کر سکی اور ملکی نظام تعلیم کو دینی تقاضوں کے مطابق نہیں ڈھال سکی اس سے دینی مدارس کو چلانے نگہداشت و نگرانی اور سرپرستی کی توقع محال ہے۔ حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کی بدولت اصحاب ثروت اپنا دامن کھینچ رہے ہیں ان کا جذبۂ خیر روبہ تنزل ہے جسے مساجد و مدارس سرکاری تحویل میں

لینے سے مزید ضعف پہنچے گا۔ اندریں حالات علماء کرام اور مذہبی حلقوں کا یہ خدشہ بے جا نہیں ہے کہ دینی مدارس کو قومی تحویل میں لینے سے ان کی کارکردگی معیار، تعمیر اور ترقی پر ناقابل تلافی حد تک برا اثر پڑے گا۔ فارغ التحصیل طلبہ علماء کی متوقع اور معروف صفات سے متصف نہیں ہوں گے جس سے رفتہ رفتہ ان کی مسلمہ اور دیرینہ افادیت ختم ہو جائے گی اور وہ وقت جلد ہی آجائے گا جب یہ بے مقصد ادارے خود بخود ہی دم توڑ جائیں گے۔

محکمہ اوقاف کی کارکردگی کا سابقہ ریکارڈ انتہائی حوصلہ شکن ہے۔ اس محکمہ کی نگرانی میں مدرسے اجڑ چکے ہیں (مثلاً شرق پور شریف کا مدرسہ) مسجدیں بے رونق ہو گئی ہیں۔ مزارات، خانقاہوں اور درگاہوں کی آمدنیاں گھٹ گئی ہیں۔ اداروں کی دیکھ بھال میں بدانتظامی اور شرمناک بد دیانتی ضرب المثل بن چکی ہے۔ ملک کی بڑی بڑی عدالتیں اپنے فیصلوں میں اس محکمہ کی کارکردگی کو ہدف تنقید بنا چکی ہیں۔ وطن عزیز پہلے ہی ذہنی انتشار، فکری افراتفری اور پریشانی کا دور دورہ ہے۔ قوم اور حکومت گوناگوں مسائل سے دوچار ہیں۔ امید واثق ہے کہ [illegible] ملکی حالات اور مذکورہ گزارشات کے مد نظر دینی مدارس کو قومیانے [illegible] کا ایک نیا باب وا نہیں کریں گے اور ملک و ملت کے بعض [illegible] کو بے چینی اضطراب اور حرمت و حیات کی کشمکش سے [illegible] گے۔

اعتذار

خدام الدین کے کاتب صاحب پچھلے دنوں مسلسل حوادث کا شکار رہتے رہے جس کے پیش نظر "احسن القصص" جلسہ دستار بندی اور علامہ خالد محمود کے اعزاز میں دی گئی افطار پارٹی کی رپورٹ لکھی نہ جا سکی انشاء اللہ آئندہ شماروں میں یہ چیزیں آجائیں گی۔

(مدیر)

اعلان داخلہ

مدرسہ جامعہ حنفیہ قادریہ جامع مسجد [illegible] جماعت ۲۸۵ جی ٹی روڈ

باغبانپورہ لاہور عرصہ انیس سال سے علاقہ ہذا میں دینی تدریسی اصلاحی تبلیغی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مدرسہ میں حفظ و ناظرہ و درس نظامی پڑھانے کا معقول انتظام ہے بیرونی طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں جن کی جملہ ضروریات کا جامعہ کفیل ہے مدرسہ کا داخلہ شوال کے اختتام تک جاری رہے گا۔

بعد نماز ظہر ترجمہ قرآن مجید بھی پڑھایا جاتا ہے۔

المعلن: (مولانا) محمد اسحاق (صاحب) مہتمم مدرسہ ہذا

ضرورت قاری

مدرسہ عربیہ صدیقیہ الیسر کے لیے ایک مستند قاری کی ضرورت ہے جو کہ بچوں کو بھی پڑھا سکے۔

پتہ محمد یعقوب مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ منڈی داربرٹن

چوبیس گھنٹے پانچ پکار ساس کرنہ آئے تو گنہگار

مولانا عبیداللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا

معارف وتبصرہ

تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہے

تبصرہ باری پر ہوگا!

کلمہ طیبہ اور شرعی پردہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے قلم سے نکلے ہوئے یہ دونوں کتابچے موصوف کے پختہ علم اور دین حق کی صحیح ترجمانی کے غماز ہیں۔ قاری صاحب نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی نازک اور انتہائی اہم ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تبلیغی و تحریری میدان میں جو خدمت کی اس پر جہاں ایشیا و افریقہ کے متعدد ممالک اور شہر گواہ ہیں وہاں ان کی ایک سو سے زائد تصانیف اس سب سے بڑی شاہد عدل ہیں۔ آپ کی تحریر میں سلاست، روانی، عام فہم طرز استدلال اور بصورت جواب ٹھوس اور جچے تلے جوابات پر مشتمل ہوتی ہیں جن کا جواب کسی سے بن نہیں پڑتا۔

زیر تبصرہ پہلی کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ اسلام جو دین حق ہے کی بنیاد یعنی کلمہ طیبہ سے متعلق ہے۔ آپ نے قرآن، حدیث اور اجماع امت سے جہاں اس کلمہ کا ثبوت دیا ہے اور علمی موتی ہر ہر صفحہ پر بکھیر دئیے ہیں وہاں مانعین و محرفین کلمہ کو ایسے مسکت جوابات دئیے ہیں کہ باید و شاید۔ کتاب میں جہاں کلمہ طیبہ کا حدیث سے ثبوت دیا ہے وہاں ضمنی طور پر متعدد بحثیں حدیث کے متعلق بھی آگئی ہیں جو قاری کی علمی معلومات میں بیش بہا اضافہ کا باعث ہوں گی۔

مشہور عالم مولانا سید محمد یوسف بنوری نے مقدمہ سپرد قلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس رسالہ کے جامع و مستند ہونے میں مزید خامہ فرسائی کرنا آفتاب عالمتاب کے سامنے چراغ دکھانا ہے"۔ آخر میں تیس صفحات پر مشتمل "کلمات طیبات" کے نام سے ایک دوسرا رسالہ ہے جو ذکر الٰہی سے متعلق کئی ایک مفید ابحاث کو شامل کیا ہے اور اس میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کا نظم فرمودہ شجرہ طریقت بھی ہے

اس طرح ایک صاحب ذوق آدمی ایک ہی وقت میں بہت ساری چیزیں بیک وقت پڑھ لے گا۔

"اسلامی پردہ" بھی نام سے ظاہر ہے۔ اسلام نے حیوانیت کی سطح سے اٹھا کر اولاد آدم کو جس شرف انسانی سے نوازا اور انسانی کمالات اور خوبیوں سے اس کو متصف کیا اس کی مثال دنیا کے قوانین اور نظاموں میں تلاش کرنا ہی بے سود ہے۔

اسلام وہ واحد دین ہے جو تمام کمالات کا جامع ہے اور اس حکمت بالغہ سے اپنے نام لیواؤں کی رہنمائی کرتا ہے کہ اس رہنمائی کے ذریعہ انسان ثریا کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔

صنف نازک یعنی حوا کی بیٹیاں جو نزول قرآن سے پہلے محض انسانی خواہشات کی تسکین کا باعث تھیں۔ اور جنہیں معاشرہ میں قطعاً کوئی حیثیت حاصل نہ تھی انہیں اسلام نے جس حد تک نوازا اور ان کے حقوق کی پاسداری کی اس پر قرآن و سنت کے ان گنت ارشادات دلالت کرتے ہیں لیکن جاہلیت جدیدہ کے علمبرداروں نے ان ربانی اور نبوی ہدایات کو ترک کرکے حقوق نسواں کی ایسی رٹ لگائی کہ شیطان کے کان کتر کر رکھ دیے اور اس طرح انہوں نے عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے مقدس رشتوں کے بجائے کچھ اور ہی بنا دیا۔ جس کا نتیجہ واضح ہے کہ آج عورت پھر خواہشات رذیلہ کی تکمیل کا ذریعہ رہ گئی ہے اور بس۔

زیر تبصرہ کتاب میں فاضل مصنف نے اسلام کے نظام عفت و عصمت پر جس خوبصورت انداز سے روشنی ڈالی ہے وہ انہی کا حصہ ہے ۱۴۰ کے قریب ضمنی مباحث میں آپ نے پردہ کی ضرورت، اس کے ثبوت اس کے خلاف برپا کی جانے والی غوغا آرائی اور بے سروپا اعتراضات کے جوابات وغیرہ سب کچھ سپرد قلم کرکے متلاشیان راہ حق کے ہاتھ میں ایک ایسی دستاویز

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۶۰۷۴

فون نمبر ۶۷۵۴۵

منظور شدہ ۱- لاہور بذریعہ چٹھی نمبری ۱۹۳۲۱۶ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۷ء ۲- پشاور بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۳۷۲-۲۳۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۲۰۷۶۶-DDA۹ مورخہ ۳ اگست ۱۹۶۳ء (۴) راولپنڈی بذریعہ چٹھی نمبری G.M/۳۰-۱۵۳۱۰ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۶۷ء

رہے دی ہے جس کے بعد کوئی ملحد بے دین انہیں گمراہ نہیں کر سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

یہ دونوں رسائل ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور نے روایتی انداز سے شائع کیے ہیں اور ظاہری خوبیوں اور حسن و جمال کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے —
جزاھم اللہ احسن الجزاء

پہلے رسالہ کی قیمت ۲/۵۰ اور دوسرے کی ۲/۲۵ ہے جو انتہائی واجبی ہے۔

بقیہ : حضرت علیؓ

اشعار، اقوال، مواعظ و محاورات منسوب کر دیئے گئے ہیں غرض حضرت علیؓ کو ساری اسلامی دنیا نے شجاع اور دانا بہت سے صوفیہ کے گروہ نے لائق مثال عالم نبیان اور شیعان علیؓ نے معصوم اور میری عن الخطا سمجھا بلکہ ان کے غلاۃ یعنی انتہا پسندوں نے خدا کا اوتار مانا ہے۔